ALLAH IS WITH US

مدیر: مدثر عزیز

قیمت فی پرچہ -/5 یورو

فون: +49-308735703

Email: generalsecretaryaaiil@gmail.com

احمدیہ انجمن لاہور (جرمنی) کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔

جلد نمبر 02 | 12 ربیع الاوّل تا 12 ربیع الثانی 1439 ہجری یکم دسمبر تا 31 دسمبر 2017ء | شمارہ نمبر 23-24

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

کے حضور میں حضرت مجدد صد چہاردہم مرزا غلام احمد قادیانی رحمہ اللہ کا اظہارِ عقیدت

جان و دِلم فدائے جمال محمدؐ است — خاکم نثار کوچۂ آل محمدؐ است

میرے جان و دِل محمدؐ کے جمال پر فدا ہیں — اور میری خاک آلِ محمدؐ کے کوچہ پر قربان ہے

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش — در ہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است

میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ ہر جگہ محمدؐ کے حسن کا شہرہ ہے

’’اس حسین کو ایک دفعہ ملنا ہمیشہ کی زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے اس کے حسن کا علم ہے اسی لئے اوروں نے تو دل دیا ہے میں اپنی جان بھی قربان کرتا ہوں، اس کی صورت کی یاد ہر وقت بیخود کرتی ہے اور اس کی محبت کی شراب ہر آن مجھے مست رکھتی ہے۔ اگر میرے پَر ہوتے تو میں اُڑ کر اس کی گلی میں پہنچتا۔۔۔‘‘ (حضرت اقدسؒ)

پیغام سالانہ دعائیہ 2017ء

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، تمام جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔'' (سورۃ الفاتحہ)

اللہ کے بابرکت کلام کی تلاوت سے میں اس پیغام کا آغاز کرتا ہوں جو پیغام صلح کی وساطت سے میں اپنی جماعت کے پاکستان اور غیر ممالک ممبران تک سالانہ دعائیہ کے موقع پر پہنچا رہا ہوں۔

اس سال ہمارا ملک اور جماعت بہت آزمائشوں سے گزر رہی ہے۔ میں اس پیغام کے ذریعہ ان تمام لوگوں کے خاندانوں کو جو مختلف تخریب کاریوں کے نتیجہ میں فوت یا زخمی ہوئے سے اظہار ہمدردی کرتا ہوں۔ یہ ہمدردی بلاتفریق قوم نسل یا علاقائی تفرقوں کے ہے۔ تخریب کاری کی وجہ سے چاہے گرجوں، مسجدوں یا تعلیمی اداروں میں نقصان ہو میرا دل یکساں دُکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری قوم کو امن عطا فرمائے اور اس کے تمام لوگ ایک دوسرے کو برداشت کرنے والے، محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف میں باہمی ہمدردی کرنے والے بنائے۔

اس سال ہماری جماعت کے نکتہ نظر سے میرے لئے سب سے زیادہ دو سنگ میل ہیں۔

پہلا حضرت مولانا محمد علیؒ (امیر اوّل) کے دنیا کی سطح پر مقبول ترین قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ وتفسیر۔

دوسرا برلن مسجد میں نہایت ہی کامیاب بین الاقوامی دعائیہ کا انعقاد۔ اس سال 17 ستمبر کو دونوں کے 100 سال مکمل ہوئے۔ اس طرح برلن میں قرآن کریم کی تفسیر کے 100 سال اور کامیاب دعائیہ ایک ہی دن منائے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آنے والے وقتوں میں بھی کامرانی عطا فرمائے اور ہمیں اس کتاب اللہ کو دنیا میں اپنے عمل اور علم سے پھیلانے میں مدد فرمائے۔

اس دعائیہ میں آنے والوں کو خوش آمدید اور قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی نصیحت کے ساتھ میں اس مختصر پیغام کا اختتام کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کا محافظ ہو۔ آمین

اداریہ

اللہ کی ہدایت کیوں ضروری ہے؟

اس کا بڑا مختصر سا جواب یہ ہے کہ یہ اس لئے ضروری ہے کہ جو کچھ آپ اپنے طور پر کر رہے ہیں وہ ایک نقصان دہ کاروبار ہے۔ خدا کی ہدایت کے بغیر نہ تو آپ ایک بہتر مفکر ہیں، نہ بہتر بزنس مین۔ کیونکہ آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہیں کہ آپ کی زندگی بڑی مختصر سی ہے اور آپ کے لئے کروڑ ہا کروڑ کہکشاؤں کی وسیع آخرت کی زندگی ہے جس کا سودا ستر اور ساٹھ سال میں آپ کر رہے ہیں۔ اس میں سے بھی آدھی سے زیادہ زندگی تو آپ سو کر اور دیگر شغلوں میں گزار دیتے ہیں۔ اگر آپ نے مستقل جہنم کو ہی چن لیا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ مجھے کوئی شوق ہے کہ آپ خدا کو ضرور پہچانیں۔ لیکن ایک انسان ہونے کے ناطے اگر آپ کو اس زندگی کا سودا ایک عقلمند تاجر کی طرح کرنا ہے۔ یا آپ ایک دانشور ہیں اور پڑھے لکھے انسان ہیں تو سب سے بڑی بات جو آپ کو جاننی ہے کہ کروڑ ہا کروڑ وسعت رکھنے والی اور کہکشاں کی طرح چمکنے والی آخرت کی زندگی کے لئے اتنی مختصر زندگی کو کاروبار کس طرح پر چلایا جائے کہ وہ نفع بخش و کامیاب رہے۔ اس بارے میں رہنمائی کے لئے مجھے خدا کی ضرورت ہے کیونکہ خالق ہونے کے ناطے سے جو اگلے سارے زمانوں میں، سارے وقتوں میں اور اس مختصر زندگی میں بھی میری صحیح رہنمائی کرے۔ وہ خدا کی ہی ہستی ہو سکتی ہے جو کائنات کے ہر ذرہ کا حقیقی مالک ہے۔ خدا ہی کامل ہدایت عطا کر سکتا ہے۔ ہمارا یہ تصور خام خیالی ہے کہ ہم اس دنیا میں اپنی زندگی خود گزارتے ہیں۔ یہ کسی احمق کا تصور تو سکتا ہے کسی عاقل کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان شروع سے ہی بے بسی کی زندگی لے کر پیدا ہوتا ہے۔ نہ اس کا باپ اس کے اختیار میں ہے اور نہ ماں۔ نہ رشتے ناطے۔ کوئی اندازِ زندگی اس کے مکمل اختیار میں نہیں۔ بارہ چودہ سال تک وہ محض محتاجی اور مجبوری کی زندگی گزارتا ہے۔ نہ وہ کمانے کے قابل ہے نہ کھانے کے۔ جب ذرا تن ومند ہوتا ہے تو پڑھائی، کمائی اور شادی بیاہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ جب آخری عمر آتی ہے تو پھر وہی بے بسی کا عرصہ پلٹ آتا ہے، نہ اُٹھنے کی سکت اور نہ بیٹھنے کی طاقت۔ کیا اس تھوڑے سے عرصہ کے لئے میں سمجھوں کہ انسان اپنی زندگی خود گزار رہا ہے؟ حقیقت میں یہ سب کچھ غلط ہے۔ انسان کا کوئی بندوبست اس کے بس میں نہیں ہے۔ اس کو وسائل اور سہولتیں ضرور دی گئیں ہیں۔ ماں باپ دیئے گئے۔ پیدائش کے لئے انسانی رشتے اور تعلقات کا ذریعہ قائم کیا گیا، گھر دیا، تعلیم کی سہولتیں دیں، مزدوری دی، پیشے دیئے اور جب زندگی میں سب کچھ کر چکے اور قبر کے سرہانے پہنچے تو میں تجھ سے پوچھوں گا'' من ربک '' تمہارا رب کون ہے۔ جس نے کائنات اور وہ سب کچھ مہیا کیا جس کی وجہ سے وہ سب کچھ ممکن ہوا جو تم زندگی گزار آئے ہو۔ زمین سے گزر آئے ہو، بچے پال آئے ہو، عیش کر آئے ہو، نوکری کر آئے ہو، محبتیں کر لیں، اب مجھے بتاؤ کہ تمہارا خدا کون ہے؟ اگر آپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے تو آپ ہار چکے۔ اور اسی وقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی ربوبیت کی حقیقت آپ پر عیاں ہو جائے گی۔ قبر کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ قبر دوسری زندگی کی وسیع کہکشاؤں میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اگر آپ نے سوال کا صحیح جواب دے دیا تو آپ کے لئے جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ قبر ہی وہ دروازہ ہے جس پر آپ کو فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کہ اب کن راستوں پر آپ نے مڑنا ہے، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان مرتا نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا ہے کہ'' یہ ان کا گمان ہے کہ وقت ہمیں زندہ رکھتا ہے اور وقت ہی ہمیں مارتا ہے۔ بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں پھر جان پڑے گی! تو خدا کہتا ہے کہ یہ ایسی بات اس لئے کہتے ہیں کہ'' یہ کم علم ہیں اور اللہ کو جانتے نہیں ہیں'' جو اللہ کو جانتا ہے اس کو اللہ کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ کیونکہ وہی تمام قدرتوں کا مالک ہے اور وہی انسان کی رہنمائی کی راہ دکھاتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا اور اس کی رہنمائی کی۔ خالق کائنات اپنی کتاب ہدایت میں اس حقیقت کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

'' اپنے رب بہت بلند کے نام کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا۔ جس نے (حد کا) اندازہ لگایا پھر (ہدایت کی) راہ دکھائی ۔۔۔ وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کرتا ہے اور اپنے رب کے نام کو یاد کرتا ہے پس نماز قائم کرتا ہے۔ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے''

(سورۃ الاعلیٰ ۸۷: ۱ تا ۳، ۱۴ تا ۱۷)

(مرکزی خیال پروفیسر احمد رفیق اختر کی گفتگو سے لیا گیا ہے، م۔ح۔د)

اختتامی خطاب و دُعا

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع تقریب ''تقریب میلاد النبیؐ''

مورخہ 3 دسمبر 2017ء بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے، تمام جہانوں کے رب، بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا، اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا، نہ اُن کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔'' (سورۃ الفاتحہ)

''اے اللہ! رحمت بھیج حضرت محمدؐ پر اور حضرت محمدؐ کی آل پر۔ جس طرح تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر۔ بے شک تو تعریف کیا گیا ہے۔ اے اللہ! برکت دے حضرت محمدؐ کو اور حضرت محمدؐ کی آل کو۔ جس طرح برکت دی تو نے حضرت ابراہیمؑ کو اور حضرت ابراہیمؑ کی آل کو۔ بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔''

میں نے سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا۔ الفاتحہ سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے اور پھر اس سورۃ کا آغاز الحمد اللہ سے ہوتا ہے۔ حضرت صاحب نے جہاں بھی الحمد اللہ کی تشریح کی ہے وہاں اس بات کو واضح کیا اور ہمیں یہ نصیحت کی کہ الحمد اللہ کہتے وقت اللہ تعالیٰ کی تمام مہربانیاں اپنے ذہن میں رکھ کر الحمد اللہ کہیں جب کسی انسان کو یہ کہہ دیا جائے کہ اب اللہ کی تمام مہربانیاں دل میں سوچو تو اکثر وہ مہربانیوں کی جو لسٹ بنائے گا وہ دنیاوی مہربانیوں پر مبنی ہوگی مثلاً بچوں اور گھر والوں کے لئے، بینک بیلنس، سواری، رہائش وغیرہ۔ اس سے اوپر شاید ہماری سوچ محدود ہو جاتی ہے حضرت مرزا غلام احمد صاحب جو اس زمانے کے مجدد، مسیح موعود، مہدی معہود تھے انہوں نے اس تعریف کی طرف زیادہ توجہ دلائی کہ ہم اللہ کی تعریف اور شکر گزاری اس لئے کریں کہ اُس نے ہمارے لئے رسول کریم صلعم کو رسول بنا کر بھیجا اور ہماری ہدایت کے لئے قرآن کریم کا نزول فرمایا۔ ہم حضرت صاحب کی بہت سی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف آپؑ نے دل کھول کر کی ہے۔ لیکن جس وجہ سے وہ زیادہ تعریف کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دینے کے لئے نبیوں کا سلسلہ دیا اور پھر ایک نبیؐ جو آخری نبیؐ تھے اور ان کے بعد کوئی نبی آنے کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ اُن کا ہم پر یہ احسان ہے کہ آپؐ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا اور پھر آخری نبی حضرت محمد صلعم بھیج دیئے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تصور کہ وہ واحد خدا ہے دوبارہ سے قائم کر دیا ورنہ وحدانیت کا نام مٹ جاتا اور صرف کافر اور مشرکین کا دین رہ جاتا یا بالکل خدا کو نہ ماننے والے ہی باقی رہ جاتے۔ اللہ کو واحد ماننے والا کوئی نہ رہتا۔

ان سب چیزوں کا شکر ادا کرنا ہمارے لئے بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلعم کا شکر ادا کرنے سے اللہ یا رسول کریم صلعم کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ کائنات کے شروع سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ مقام دیا تھا اور سب نبیوں کے ذریعہ وہ پیغام اپنی اپنی قوموں کو

دیا جا چکا تھا کہ ایک نبی ایسا آنے والا ہے جس پر سب نے ایمان لانا ہے۔ ہر نبی نے یہ پیغام اپنی قوم کو دیا۔ اگر ہم ''برنباس'' کی انجیل دیکھیں تو اس میں عیسیٰ علیہ السلام نے نبیؐ کے متعلق جو فرمایا اس کا مفہوم ہے کہ:

''کاش میں اس نبی کو دیکھ لیتا تو میں اس کے تسمے باندھتا، اس کے جوتے صاف کرتا، اس کے راستے سے کانٹے ہٹاتا''

جو چیزیں عقیدت سے کہہ سکتے تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام نے رسول کریم صلعم کی شان میں کہیں۔

ہماری جماعت کا اس دنیا پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ حضرت مولانا ودیارتھی صاحب کا جنھوں نے اتنی ریسرچ کی کہ جن نبیوں نے رسول کریم صلعم کے متعلق پیشگوئیاں کی ان کے متعلق لکھا۔ اُنہوں نے اپنی انگریزی کتاب ''محمد ان ورڈ سکرپچر'' جس کا اُردو ترجمہ ''میثاق النبیین'' ہے میں یہ سب شامل کیں اور ایک بہت ہی مفید لٹریچر جو بہت ہی اہم ہے، انہوں نے لکھ کر رسول کریم صلعم کی تابعداری کا حق ادا کیا۔

سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ چار صفات بیان کی ہیں جن میں باقی تمام صفات کی عکاسی ہوتی ہے مثلاً اگر مالک یوم الدین میں اللہ تعالیٰ کا ''قہار'' ہونا یا پھر ستار، حلیم، کریم، رحمٰن ہونا اُنہی کی عکاسی کرتا ہے۔ رسول کریم صلعم کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے یہ چار خوبیاں دکھائیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تخت کو چار فرشتوں نے اُٹھا رکھا ہے۔ مسیح موعودؑ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ چار فرشتوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی چار صفات یعنی رب، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کی زندگی میں اپنی ربوبیت کا ایک نمونہ ہمیں دکھایا کہ ایک یتیم بچے کو دنیا اور کائنات کا بادشاہ بنا دیا۔ وہ تمام تکالیف جو اُن کو دی گئیں اُس کی برداشت اور استقامت اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی۔ وہ امین اور صادق تھے اور ہر کوئی اُن کی عزت کرتا تھا اور پھر اُنہوں نے یتامیٰ، مساکین، اپنی قوم اور دین کی جو ربوبیت کی وہ بھی ہمارے لئے مثال ہے، اُن کا رحمٰن اور رحیم ہونا بھی اُن کی زندگی میں ہمیں نظر آتا ہے اور پھر ان کا مالک ہونا کہ جب وہ مالک بنے تو مکہ کی فتح کے دن دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ داخل ہوئے۔ لوگوں کی جانیں فنا ہوگئی ہوں گی کہ ہم نے تو ان پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہوئے ہیں۔ آج ہماری خیر نہیں ہے لیکن اُس وقت رحم کا نمونہ سامنے آجاتا ہے کہ جیسے مالک چاہے تو معاف کر دے اور چاہے سزا دے اور آپؐ سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔

سب چیزیں ان کی زندگی میں ہمیں دکھائی گئیں۔ کس کمزوری کی حالت میں انہیں ہمارے سامنے تاریخ نے پیش کیا کہ یتیم ہوگئے اور اس دوران کئی ہستیوں نے آپ کی کفالت کی مگر اللہ نے آپؐ کے سر پر سے ان کا سایہ اٹھا لیا۔ پھر تاریخ ہی شاہد ہے کہ آپؐ دونوں جہانوں کے بادشاہ بنے۔

آپؐ کے مقابلے میں جو لوگ تھے وہ اپنے زمانے کے طاقتور اور سرکش لوگ تھے۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگ اس وقت عروج پر تھے۔ اُن کے آگے ایک انسان کو ایسی قوت دی کہ وہ مقابلہ کرے اور اپنے پیغام کو آگے بڑھائے، آپؐ کو طرح طرح کی لالچیں دی گئیں کہ وہ اپنے دعویٰ کے بدلے دولت، عورت اور حکومت لے لیں اور اپنے دعویٰ کو چھوڑ دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں سورۃ الھب نازل ہوئی اور اُس میں دی ہوئی پیشگوئی کیسے سچی ثابت ہوئی اور یوں قرآن اور رسول کریم صلعم کی سچائی کی تصدیق ہوگئی۔ وہ دونوں باوجود دولت اور طاقت کے ناکام رہے اور ان کی دولت، طاقت اور اثر ورسوخ کچھ کام نہ آیا۔ تاریخ نے لہب کا اور اس کی بیوی کا حشر دیکھا۔ بعد میں یہ باتیں نہیں لکھیں بلکہ یہ اس وقت لکھیں جب اسلام نہایت مشکلات میں سے گزر رہا تھا۔ قرآن میں اس واقعہ کی پیشگوئی کا شامل ہو جانا جب ابولہب زندہ پھر رہا تھا اور اگر وہ چاہتا تو رسول کریم صلعم کو ختم کروا دیتا کہ یہ آیت لکھنے والا کدھر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا کیے کہ آپؐ کی کامرانی اور ابولہب کے لئے ذلت ہی ذلت واقع ہوئی اور یوں

قرآن کی سچائی ثابت ہوئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ کتاب ہے۔آپؐ کے بعد نبیوں نے نہیں آنا صرف محدث، مجدد اور اولیاء اللہ آئیں گے، اُن کے لئے بھی یہ پیغام ہے۔

فرعون کی طاقت کا کون مقابلہ کرسکتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام جیسے بے بس انسان کو سمندر پھاڑ کر اللہ تعالیٰ نے فتح دے دی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے والے ناکام رہ گئے اور اللہ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا، کشتیوں میں جن کو بچانا چاہتا تھا بچا دیا اور باقیوں کو غرق کر دیا، پتھروں کی بارش آئی ہے تو مومنوں کو نکال دیا اور لوط کی قوم کو غرق کر دیا۔اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ اگر کسی جماعت کے ساتھ اللہ ہو جائے تو اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا لیکن ہم پر ایک فرض آتا ہے کہ اس جماعت کے قابل ہو جائیں، اپنے اندر یقین رکھیں۔ **الم ترا کیف فعل ربک باصحاب الفیل** کے ساتھ معاملہ کرنے والا آج بھی وہی ہے۔اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی شخصیات کا ساتھ ہمیشہ کمزور اور بظاہر اُبے بس لوگ ہی دیتے ہیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ لیتا ہے۔چاہے ابابیل کے ذریعہ یا مکڑی اور کبوتر کے ذریعہ۔انسان پر یہ آزمائشیں آنی ہوتی ہیں کیونکہ یہ آزمائشیں نہ آئیں تو انسان پرکھا نہیں جاتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے ''اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔'' (سورۃ البقرہ آیت 155) اس لئے ہمیں تکالیف اور آزمائشوں کے لئے تیار رہنا چاہیے اور اس میں ہم نے صبر دکھانا ہے اور اللہ کی یاد کو اپنے دلوں میں قائم رکھنا ہے۔قرآنی آیت میں آتا ہے ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ البقرہ آیت 153) اس سے پہلے آتا ہے ''پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو'' (سورۃ البقرہ آیت 152) مصیبت کے وقت تو اللہ کو ہر کوئی یاد کرتا ہے۔ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اللہ کو اس وقت بھی یاد رکھا کریں اور اس سے اپنی حفاظت مانگتے رہا کریں جب ہم امن میں ہوں۔

انسان کے لئے سب سے اعلیٰ مقام عبدیت ہے

انسان کی زندگی میں سب سے اعلیٰ ترین مقام عبدیت ہے اور رسول کریم صلعم اس عبدیت کا نمونہ ہیں اسی لئے ہمیں سکھایا کہ **اشھد ان محمد عبدہ' ورسولہ** تاکہ ہم آپؐ کے نمونہ پر عمل کریں اور آپؐ نے جو عبدیت کی وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔کیونکہ انسان کی زندگی کا ایک ہی مقصد اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ وہ اللہ کی عبدیت اختیار کرے اور جب ہم اس کے ہر حکم پر بغیر حیل و حجت عمل پیرا ہوں تو اس کو عبدیت کہتے ہیں۔اس کے حکم کے مطابق جو چیز کرنی ہے اس کو کر دینا اور جو نہیں کرنی اس کو نہ کرنا یہ عبدیت ہے، اور یہ لالچ دل میں نہ رکھنا کہ جنت ملے گی یا دوزخ سے نجات حاصل ہوگی اور تمام اچھائی اس کی خوشنودی کے لئے کرنا عبدیت ہے اور یہ اعلیٰ ترین مقام ہم تب پائیں گے جب ہم اس اعلیٰ ترین نمونہ کی پوری طرح تابعداری کریں گے جو رسول کریم صلعم نے عمل سے سکھایا۔اس لئے ہمیں پورا علم ہونا چاہیے کہ رسول کریم صلعم کا اسوہ حسنہ کیا تھا۔حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کا اُسوۂ حسنہ قرآن تھا لیکن جب ہمیں قرآن پڑھنا ہی نہیں آتا اور نہ ہم پڑھنا سیکھتے ہیں اور نہ اس کا ترجمہ سیکھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں اور احادیث سے بھی ناواقف رہتے ہیں تو پھر کیسے پتہ چلے گا کہ اُسوۂ حسنہ کیا ہے۔رسول کریم صلعم نے یہ عمل کر کے دکھایا اور اس لئے وہ نبیوں کے سردار بنے۔

آپؐ کا ہم پر احسان یہ ہے کہ آپؐ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا پیغام دیا۔اور آپؐ کا سب سے بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ **لا الہ الا للہ** کا پیغام آپؐ نے ہم تک پہنچایا۔کیونکہ اگر لا الہ الا اللہ کا تصور دل میں سے نکل جاتا ہے تو ہمارا دل بتوں اور شرک سے بھر جاتا ہے۔شرک سے رُکا ہی نہیں

جا سکتا جب تک ہم لا الہ الا اللہ پر پورا یقین نہ رکھیں ورنہ ہر کوئی چھوٹا چھوٹا خدا بن جاتا ہے۔ جب کوئی بدزبانی سے بھرپور تقریر کرتا ہے اُتنا ہی ہم اُس سے ڈرتے ہیں کہ یہ تو ہمیں کھا جائے گا لیکن ایسی گالیوں کا ہم پر اثر نہیں ہوتا جب لا الہ الا اللہ کا تصور ہمارے ساتھ ہو۔ حضرت صاحبؒ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم رسول کریم صلعم نے ہمیں دی اور وہ ان کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہے کیونکہ اس تعلیم کے ذریعہ تمام دنیا کے جتنے بھی بڑے بڑے لوگ کہلاتے ہیں وہ ہمارے پاؤں کے نیچے لا رکھے ہیں اور ہماری آنکھوں میں دنیا کی قدر ایک مچھر یا مکھی کے پَر کے برابر نہیں رہتی۔

حضرت ابراہیمؑ اور رسول اللہ صلعم کا ایک ہی مشن تھا

رسول کریم صلعم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کا ایک ہی مشن تھا لیکن دونوں مختلف زمانوں میں آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن تکالیف سے گزارا گیا ان کی ہمارے پاس کوئی تفصیل نہیں ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ آپؑ کو آگ میں ڈالنے کی دھمکیاں دی گئیں، تکالیف دی گئیں۔ انہوں نے سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جب تکالیف حد سے بڑھ گئیں اور ان کو آگ میں جلانے کا جو ارادہ تھا وہ بے اثر ہو گیا اور تمام منصوبے ''ینار کونی بردا و سلما علی ابراھیم'' کے حکم الٰہی سے ناکام ہو گئے۔

رسول کریم صلعم نے دین کی تبلیغ کی خاطر زندگی گزاری وہ بھی کسی آگ سے کم نہ تھی اور ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیا اور یہ خوشخبری دی کہ ''اللہ تعالیٰ تجھے تیرے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا''۔ یہ حضرت صاحب کے الہام میں بھی آجاتا ہے اور ہمیں اس یقین کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔ ہم نے دیکھ لیا کہ حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہر دشمن کے منصوبوں میں عافیت بخشی اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا، کتنے کتنے منصوبے تھے، جن میں قتل کے الزامات بھی لگائے گئے۔ آپؒ نے جو جماعت بنائی اس کو خوشخبری دی کہ اس کے لئے ہم نے کشتی نوح تیار کی اور اس میں جو سوار رہے گا وہ حفاظت میں رہے گا۔ اگر ہم یقین سے نہیں بلکہ صرف الفاظ تک الیس اللہ بکاف عبدہ' یا ان للہ معنا ہر جگہ لکھتے اور کہتے ہیں مگر ہمارے دل اس کا یقین نہیں کرتے تو بے سود ہوگا۔ خوف دماغ میں آنا، غم آنا یہ قدرتی ہے۔ ایسا انسان پیدا ہی نہیں ہوا جس کو غم و فکر نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی غار میں فکر میں تھے، غم میں تھے اور اُن کو یہ فکر تھی کہ میرے رسولؐ کو نقصان نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبریاں مشروط ہوتی ہیں

آج کل ہمارے جو حالات ہیں، ان میں اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ ان اللہ معنا اور الیس اللہ بکاف عبدہ تو ہمارے لئے کچھ دل کے سکون کا موجب ہو جائے گا اور ہم رسول کریم صلعم کا نمونہ اپنائیں کیونکہ اس نمونہ کو اپنانے کی وجہ سے ہمیں مسیح موعود، مہدی معہود اور ایک عظیم مجدد سے نوازا گیا لیکن اگر ہم توقع یہ کریں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خوشخبریاں دے گا تو خوشخبریاں تو مشروط ہوتی ہے، بدر میں کامیابی کی خوشخبریاں تھیں اور رسول کریم صلعم کا سجدوں میں رو رو کر بُرا حال تھا، حضرت ابوبکرؓ فرما رہے تھے کہ آپ کو اتنی خوشخبریاں ہیں تو آپ سجدوں میں رو رو کر اپنا بُرا حال کیوں کر رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشخبریاں مشروط ہوتی ہیں۔ اب ہمیں بھی خوشخبریاں ہیں کہ ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کا لگایا ہوا پودا ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کشتی ہے اس میں جو سوار ہو جائے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، تو جو خوشخبری رسول کریم صلعم کو ملی وہ آپؐ کے قول کے مطابق مشروط تھی اور جو مسیح الزماں کو ملی وہ بھی مشروط ہیں۔ ان حالات میں ہم سب اپنے آپ کو یقین دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اچھے دن لانے ہیں۔ اس کی اُمید کی جھلکیاں ہمیں برلن مشن کی خوشخبریوں میں نظر آتی ہیں۔

پچھلے سال میں جب برلن گیا تو ایک تین ماہ کی بچی مسجد میں اپنے

والدین کے ہمراہ آئی۔ جب میں قرآن لوگوں کو دے رہا تھا تو میں ان کے پاس بھی گیا تو اس بچی کے والدین کو کہا کہ یہ قرآن میں اس بچی کو دے رہا ہوں، اس کی آپ کے پاس امانت ہے۔ جب یہ بڑی ہوگی تو اسے بتایئے گا کہ یہ قرآن آپ کو تحفہ میں ملا ہے اس کو پڑھو۔ ہم جو پودا لگا رہے ہیں یہ اگلی نسل کے لئے لگا رہے ہیں۔

سب کو میری التجا ہے کہ اپنی مسجدیں آباد رکھیں کیونکہ جب مسجد آباد نہیں ہوگی تو ہم کس چیز کی حفاظت مانگ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا مسجدوں کی خوبصورتیوں کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کے اندر جو لوگ جا کر نماز پڑھتے ہیں اور کتنے اُن کو استعمال کرتے ہیں اس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ زمانہ لائے کہ ہمارے زمانے کے مجدد جن کو رسول کریم صلعم نے سلام پہنچایا ان کو اللہ تعالیٰ مقبولیت عطا فرمائے اور ہماری اولادوں کو سمجھ عطا فرمائے اور ان کو وہ زمانہ دکھائے کہ جب ہمارا امن کا پیغام پھیل رہا ہو اور ہماری مخالفت کم ہو رہی ہو۔

آج کا پروگرام جب شروع کیا گیا تو میرا سر فخر سے بلند ہو رہا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے قرآن، حدیث اور پھر کلامِ مجدد پڑھا اور مجھے محسوس ہوا کہ ہم اگلی نسل کو ضائع نہیں ہونے دے رہے۔

تقریر کے اختتام پر میں چند آراء جو مشہور غیر مسلموں نے رسول کریم صلعم کے بارہ میں لکھیں اُن کو سناتا ہوں:

☆ سر تھامس کارلائل سکاٹ لینڈ کے مشہور فلاسفر، مصنف، تاریخ دان، معلم اور ماہر ریاضی رسول کریم صلعم کی شان میں عرض کرتے ہیں:

''لفظ ''محمدؐ'' فطرت کی آواز کا نام ہے، باقی جو کچھ بھی ہے وہ سب ہوا ہے دھواں ہے۔۔۔''

☆ سر باسورتھ سمتھ مشہور مصنف رسول کریم صلعم کی شان میں عرض کرتے ہیں:

''کائنات میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے منصفانہ طور پر ایمانداری سے حکومت کی ہے، تو وہ صرف ''محمدؐ'' کی ذات ہے۔''

☆ جارج برنارڈ شا جو کہ آئرلینڈ کے سیاستدان اور ڈرامہ نویس تھے۔ آپ رسول کریم کی شان میں لکھتے ہیں:

''مجھے یقین ہے کہ اگر آج کی دنیا کی قیادت کرنے کے لئے ''محمدؐ'' آجائیں تو وہ تمام عالمی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہم بالآخر خوشحالی اور اتفاق کی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہوں گے''

☆ اوٹو بسمارک جو کہ قدیم جرمن ریاست پروشیا کا مدبر سیاستدان تھا۔ آپ رسول کریم صلعم کی شان میں بیان کرتے ہیں:

''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھیوں میں شامل نہیں تھا۔ اے محمد ﷺ، انسانیت نے ایک ہی بار چنی ہوئی شخصیت کو دیکھا تھا، پھر کبھی نہیں دیکھے گی۔ میں انتہائی خشوع سے آپؐ کے آگے جھکتا ہوں۔''

دُعا

آج ہم خصوصی دعا اپنے محسن انسانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے لئے کریں گے۔ آپ احباب کے سامنے اور اس پیغام کو شائع ہونے کے بعد جو بھی پڑھے گا میں اس خانہ خدا میں کھڑا ہو کر کہتا ہوں کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مانتے اور نہ ہی ان کو یہ دعویٰ تھا اور خواہ مخواہ بہتان لے کر اپنی شہرت حاصل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم صلعم کو اونچے سے اونچے مقامات عطا فرمائے اور ہمیں ان کے اچھے اُسوہٗ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے مسلمان بنائے، اچھے احمدی بنائے اور ہمارے اندر بھروسہ اور استقامت ڈالے اور ہمیں ان مشکل گھڑیوں میں اپنی حفاظت میں رکھے، اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو، ہم اُس سے راضی ہوں۔ آمین

☆☆☆☆

اخوتِ اسلامی

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قابل غور مضمون

اسلام کے قانون کے مطابق چار قسم کے ارکان مقرر کیے گئے ہیں۔ جن کا مقصد رنگ ونسل اور زبان کے جھگڑے کو مٹا کر نسل انسانی کو متحد کرنا ہے۔ ان چاروں ارکان کا فائدہ روحانی طور پر بھی ہے۔ لیکن ہم یہاں اس کا ذکر نہ کریں گے۔ بلکہ قارئین کی توجہ اتحاد جیسے اعلیٰ مقصد کی طرف مبذول کرائیں گے۔ اسلام کے چار ارکان اور بنیادی اصول یہ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

نماز باجماعت

نماز کی ادائیگی کے دو طریق ہیں۔ ایک نماز جو علیحدگی میں ادا کی جائے اور ایک نماز جو باجماعت اور مسجد میں ادا کی جائے۔ علیحدگی میں جو نماز ادا کی جائے اس کا مقصد ادا کرنے والے کی روحانی ترقی ہے۔ لیکن نماز باجماعت کا مقصد اور ہے۔ یعنی یہ نسل انسانی میں اتحاد پیدا کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ سب سے پہلے ایک محلّہ کے رہنے والے جب پانچ وقت روزانہ ایک مسجد میں جمع ہوں گے تو اس سے ان کے درمیان سوشل تعلقات بڑھیں گے۔ روزمرہ کی نمازوں میں یہ تعلقات ایک محدود دائرہ کے اندر ہیں۔ ایک محلّہ کے چند لوگوں کے درمیان۔ لیکن نماز جمعہ کے ذریعہ اس کو اور وسیع کیا گیا ہے۔ جب چند محلوں کے لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور پھر عید کے موقع پر تمام شہر کو ایک جگہ جمع کر کے اس دائرے کو وسیع تر کیا جاتا ہے۔ اس طرح نماز مسلمان قوم کے درمیان سوشل تعلقات کو بڑھاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور مقصد حاصل ہوتا ہے۔ نماز باجماعت کے ذریعہ مساوات پیدا ہوتی ہے۔

مسجد کی فضا

مسجد کے دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی ہر ایک مسلمان مساوات اور محبت کی فضا محسوس کرتا ہے۔ خالق کے سامنے تمام انسان کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ اپنی رعایا کے ایک غریب ترین آدمی کے ساتھ ایک امیر آدمی لباس فاخرہ پہنے ایک گودڑی پوش کے ساتھ اور ایک سفید رنگ کا آدمی ایک کالے کلوٹے حبشی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایک غلام یا ایک فقیر پہلی صف میں کھڑا ہو اور بادشاہ دوسری صف میں تو غلام کے پاؤں ہوں گے اور بادشاہ کا سر اس کے قدموں میں ہوگا۔ اور دونوں خدا کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ دنیا میں مساوات کی اس سے اعلیٰ مثال ناممکن ہے۔ مسجد کی چار دیواری کے اندر رتبہ، دولت اور رنگ کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور اخوت کی ایک پر لطف فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بیرونی دنیا سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔ اور یہ فضا صرف اسی مقدس چار دیواری کے اندر ہے۔

اس تگ ودو کی دنیا میں پانچ بار دن میں اطمینان کا سانس لینا۔ زمانہ حاضرہ کی غیر مساویانہ روش میں مساوات اور روزمرہ کی زندگی کے حسد اور بغض میں محبت۔ یہ واقعی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ اس سے ہمیں زندگی کا ایک بہت بڑا سبق ملتا ہے۔ انسان کو غیر مساوی روشوں۔ تگ ودو، نفرت وحسد کے جذبات کے اندر کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ دن میں پانچ مرتبہ ان حالات سے نکال کر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ اور اسے یقین دلایا جاتا ہے کہ مساوات، اخوت اور محبت انسانی خوشی کے لئے حقیقی ذرائع ہیں۔

نماز اخوت ومساوات کا عملی سبق ہے

اگر انسانی مصروفیات کے نقطہ نظر سے بھی لیا جائے تو نماز پڑھنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے۔ وہ ضائع نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہم وہ سبق سیکھتے ہیں۔

جس سے زندگی کامیاب ہو سکے۔ مساوات، اخوت اور محبت کے وہ سبق جب ہم ان کو عملی رنگ میں لیتے ہیں۔ تو وہ تہذیب انسانی اور اتحاد بنی نوع انسان کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں۔ پانچ دفعہ دن میں نماز باجماعت کا مقصد اور باتوں کو چھوڑ کر یہ ہے کہ وہ مساوات اور اخوت کی اسلامی تعلیم کو عملی رنگ دے۔ اسلام اگرچہ کتنا ہی مساوات اور اخوت کا وعظ کرتا تو یہ تعلیم کتابوں میں بند رہ جاتی۔ اگر اس کو عملی جامہ نہ پہنایا جاتا اور وہ عملی جامہ پانچ مرتبہ نماز باجماعت ہے۔

روزہ اور مساوات انسانی

دوسرا رکن روزہ ہے۔ ماہ رمضان میں ہر ایک مسلمان کو ایک ماہ کے صبح سے شام تک روزے رکھنے ضروری ہیں۔ روحانی اور اخلاقی فائدہ کے علاوہ قرآن مجید نے اس کا سوشل فائدہ بھی بتایا ہے۔ جو نماز سے حاصل کردہ فائدہ سے زیادہ پر اثر ہے۔ ایک قرب وجوار کے امیر وغریب اعلیٰ اور ادنیٰ لوگ دن میں پانچ بار مسجد میں لائے جاتے ہیں۔ اور ان میں باہمی تعلقات پیدا کئے جاتے ہیں۔ لیکن ماہ رمضان کے چاند کا طلوع ہونا عالمگیر مساوات کے لئے ایک مشعل کا کام دیتا ہے۔ اس کا دائرہ کسی خاص محلّہ یا شہر یا ملک تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا اثر تمام دنیا پر ہوتا ہے۔ امیر اور غریب مسجد میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہونے کے باوجود اپنے گھروں میں مختلف رنگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ امیر لوگ پر تکلف کھانوں سے چنی ہوئی میزوں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور پھر دن میں چار بار اور کئی دن میں چھ بار کھانا کھاتے ہیں۔ حالانکہ غریب کو دوبارہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بھوک کو مٹا سکے۔ غریب بھوک میں زندگی بسر کرتا ہے اور امیر جانتا بھی نہیں کہ بھوک کیا چیز ہے۔ اس حالت میں بھلا امیر غریب کی تکلیف کو کس طرح محسوس کر سکتا ہے اور اس سے کس طرح اظہار ہمدردی کر سکتا ہے؟ ان دونو جماعتوں کی گھریلو زندگی میں ایک حد فاصل ہے اور یہ حد فاصل اس وقت دور ہوتی ہے۔ جب ایک امیر بھی اپنے غریب بھائی کی طرح پورے ایک ماہ کے روزے رکھتا ہے اور بھوک کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ تمام اسلامی دنیا میں امیر اور غریب دونوں کو اس طرح مساوات کی عملی تعلیم دی جاتی ہے اور دونوں کو روزانہ دو وقت کھانے کی اجازت ہے۔ گو دونوں کے کھانوں میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن تاہم امیر کو اپنی خوراک کو کم اور سادہ کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تاکہ اس طرح اس کو اپنے غریب بھائی کے قریب تر لایا جائے اور اس طرح ان کے دلوں میں غریبوں کے لئے ہمدردی پیدا ہو اور اسی لئے ماہ رمضان میں خیرات کرنے کا حکم ہے۔

زکوٰۃ اور مساوات انسانی

تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ اسلام کو صرف اس بات کا فخر نہیں کہ اس نے دنیا کے اہم مالیات کے مسئلوں کو حل کیا ہے۔ بلکہ اس نے احساسات اور کیرکٹر کو تکمیل تک پہنچایا۔ جس پر تہذیب انسانی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ بالشوزم کے سخت قوانین، جن کے مطابق ایک آدمی کو صرف اس قدر دیا جاتا ہے، جس سے وہ زندگی بسر کر سکے، انسانیت کے اعلیٰ جذبات ہمدردی اور محبت کو مردہ کر رہے ہیں اور یہ وہ صفات ہیں جن کے بغیر زندگی فضول ہے اور جن کے بغیر انسانیت کا مرتبہ گر کر بربریت تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اسلام اپنے بیت المال کے ادارہ کے زریعہ دونو مقصد حل کر لیتا ہے۔ اسلامی دنیا میں ہر ایک دولت مند کے لئے فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کا چالیسواں حصہ بیت المال میں ادا کرے۔ جس کا نظام اسلامی حکومت کے ماتحت ہوتا ہے اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو۔ تو مسلم قوم کے ذریعہ۔ اس فنڈ کا مقصد غریبوں کی حالت کا درست کرنا ہے۔ حاجت مندوں کی امداد اور قیدیوں یا غلاموں کا رہا کرانا ہے۔ ایسے مقروض جو قرضہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ان کے قرضے بیباق کرانا ہے۔ امداد کرتے وقت اس بات کا مطلقاً کوئی خیال نہیں کیا جاتا کہ جس کی امداد کی جا رہی ہے۔ وہ کس ذات، قوم یا مشرب کا انسان ہے۔ زکوٰۃ کا مقصد صرف مساوات کا پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ ہمدردی بنی نوع انسان کے جذبات کو ارفع مقام تک پہنچانا ہے۔ برخلاف اس کے جب ہر ایک جائداد حکومت کی ملکیت ہو جائے اور دولت کی تقسیم ایک جیسی ہو۔ تو اس سے ترقی کرنے کی حس مردہ ہو جاتی ہے۔

اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعہ دولت کی ایک ایسی تقسیم پیش کی جس طرح

خون انسانی جسم میں دورہ کرتا ہے۔اسی طرح امیر لوگوں کی دولت کا ایک مقرر شدہ حصہ بیت المال میں ہر سال پہنچ جاتا ہے جہاں سے پھر جس جگہ ضرورت پیش آئے خرچ کیا جاسکتا ہے۔زکوٰۃ کے ذریعہ صرف مساوات ہی پیدا نہیں کی گئی بلکہ اس کے ذریعہ تمام قوم کی ترقی وعروج کے ذرائع مہیا کئے گئے ہیں۔

حج اور مساوات انسانی

چوتھا رکن حج ہے۔دنیا کی تاریخ کوئی اور ایسی نظر پیش نہیں کرسکتی۔جس کے ذریعہ سے مساوات انسانی کی یوں تکمیل کی جاسکتے۔اور جہاں نسل،رنگ اور مرتبہ کا امتیاز بالکل مفقود ہو۔صرف اسی قدر نہیں کہ مختلف نسلوں اور ملکوں کے لوگ کعبۃ اللہ میں ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔بلکہ ان تمام کا لباس بھی ایک ہوتا ہے۔صرف دوسفید چادریں۔اور اس طرح اعلیٰ اور ادنیٰ کی تمیز قطعاً باقی نہیں رہتی۔ایک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر،جن کا لباس ایک جو ایک ہی قسم کی حرکات کرتے ہیں۔تمام کی زبان پر ایک ہی کلمہ لبیک،اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ یہ صرف حج ہی ہے۔جس کے ذریعہ اتحاد اور مساوات کی یہ مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ ان کا ایک لباس ایک زبان اور ایک مرتبہ ہو جائے۔ورنہ اس کے سوا یہ ناممکن ہے۔

ہر مسلمان کو اپنی عمر میں ایک دفعہ مساوات کے مشکل راستہ پر ڈال کر اخوت کے وسیع شاہراہ پر پہنچایا جاتا ہے۔تمام انسان ایک جیسے ہیں۔ان کی پیدائش اور موت یکساں ہے۔وہ ایک ہی راستہ سے آتے ہیں۔اور دوسرے راستے سے چلے جاتے ہیں۔اور یہ صرف حج ہے۔جو ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ کس طرح ہماری زندگی،ہمارے افعال اور ہمارے تخیّل میں یکسانیت پیدا ہو۔

❁❁❁

یہاں آؤ -خدا پاؤ

تمنائیں نئی لاؤ ارادے بھی نئے لاؤ
جہاں ہو جس جگہ ہو تم چلے آؤ چلے آؤ

مسیحِ وقت کا دارالاماں تم کو بلاتا ہے
یہی تسکین کی جا ہے ، یہاں آؤ، خدا پاؤ

خدا کی دَین ہے جو یہ سعادت مل گئی ہم کو
وگرنہ لاکھ سر مارو جو چاہو، ہاتھ پھیلاؤ

یہیں سے دین کی نصرت مقدر ہو چکی اب تو
بتادو اہل عالم کو نہ یونہی ٹھوکریں کھاؤ

بہارِ زندگی اک امتحاں ہے دیدہ و دل کا
چمن کے رنگ وبو سے دیدۂ دل کو نہ بہلاؤ

یہاں آؤ کہ مل کر عہد باندھیں دیں کی نصرت کے
غمِ دیں ساتھ لاؤ اور غمِ جاں بھول کر جاؤ

رہِ الفت میں عاشق سربکف اکثر نکلتے ہیں
غمِ دل بھول جاؤ اور نہ اپنے زخم دکھلاؤ

کلام علوی

حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کا عشق قرآن اور اس کی اشاعت کے لئے جذبہ اور قربانی

ڈاکٹر حمید جہانگیری، ایم ڈی (امریکہ)

(متن تقریر جو اوکلینڈ مسجد، امریکہ میں مورخہ 15 اکتوبر 2017ء کو قرآن مجید انگریزی کی اشاعت کی صد سالہ تقریب کے موقع پر کی گئی۔ حامد جمیل صاحب نے اس کی آڈیو کو تحریر میں قلمبند کیا ہے۔)

آج مجھے دعوت دی گئی ہے کہ میں حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب کے انگریزی ترجمہ وتفسیر قرآن مجید کے بارے اس کی علمی اور دینی خدمات پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ جب بھی اس طرح کا موقع آتا ہے تو دماغ سوچنے لگتا ہے کہ اس موضوع پر کیا پڑھوں اور کہاں سے پڑھوں اور پھر آخری وقت تک محنت کرتا رہتا ہوں اور اس محنت کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ کل میں نے کمپیوٹر میں اپنی ای میل کھولی تو بنا بنایا موضوع اور مواد مل گیا۔ ہماری بہن محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ نے امریکہ سے مجھے دو چیزیں بھیجیں۔ ایک تو حضرت مولانا محمد علیؒ کی ذاتی زندگی پر تحریرات اور ان کا خلاصہ اور دوسرا ان کا مشہور ومعروف خطبہ جو انہوں نے جون 1920ء میں لاہور احمدیہ انجمن میں دیا تھا۔ میں سب سے پہلے اسی خطبہ سے شروع کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا معبود صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میرے آقا ورسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور وہی دائمی اسوہ حسنہ کے مستحق ہیں"۔

میں نے شروع میں جو آیت تلاوت کی تھی اس کا ترجمہ یہ ہے:

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اس کے بدلے میں ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں سو مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ یہ وعدہ اس کے ذمہ سچا ہے، تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو کون پورا کرنے والا ہے۔ سو اپنے سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے خوش ہو جاؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔" (توبہ 9:111)

اس خطبہ میں حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ کوئی سودا کرتے ہیں تو وہ چیز آپ سے چلی جاتی ہے پس وہ تو آپ سے چلی گئی ہے۔ مسلمان جو مومن ہیں وہ جب اللہ کے ساتھ سودا کرتے ہیں کہ ہم اپنا تمام مال وجان جو اس دنیا میں ہمارا ہے ہم اس کو اللہ کو دیتے ہیں اور اللہ اس کے بدلے میں بہترین وعدہ پورا کرنے والا ہے جیسا کہ وہ قرآن میں فرماتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہی وہ وعدہ ہے جو میں نے تورات اور انجیل میں بھی کیا ہے۔ اس کے بدلے میں خوشی اور وہ دل کی جنت ہے جو اس دنیا سے شروع ہوتی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ وہی جنت بدرجہ اتم ہم اگلی زندگی میں اللہ کے وعدے کے مطابق پائیں گے۔

اسلام زندگی میں بلند مقصد حاصل کرنا سکھاتا ہے

حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب مزید فرماتے ہیں: کہ جب انسان کا مقصد عظیم ہو اور وہ اس کے لئے اخلاص سے کوشش اور قربانی بھی کرے تو وہ اتنی ہی

بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔لیکن اگر اس کا مقصد ہی چھوٹا ہو تو وہ کیا کامیابی حاصل کرے گا۔اگر مقصد صرف یہی ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کر لیں تو صرف یہ اسلام کا بڑا مقصد نہیں ہے۔ اسلام کا مقصد اس سے بلند تر ہے کہ انسان اس مرحلہ سے گزر کر اپنی تمام دماغی سوچ اور اس کی طاقت، پیسہ اور پیسے کی طاقت، مضبوط ارادہ اور جسمانی طاقت، سب کی سب اللہ کے نام کر دے یعنی انسانی فلاح و بہبود کے لئے صرف کرے۔ہم نے اگر اس میں کوتاہی کی یا کسی لحاظ سے تنگدلی سے کام لیا تو ہم نے مسلمان ہونے کے ناطے جو اللہ سے وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا۔حضرت مولاناؒ اس بات کو مثال کے ذریعے یوں سمجھاتے ہیں کہ انسان اگر ایک پہاڑ کے اوپر چڑھنے کا عزم کرے تو وہ محنت کرے گا، کوشش کرے گا اور پھر اوپر چڑھنا شروع کرے گا اور اگر پورا نہ بھی چڑھ سکے تو کم از کم زمینی حالت سے کسی حد تک اوپر چلا جائے گا۔اس کی لگن اور طاقت کسی حد تک اس کو ضرور لے جائے گی۔اس کا صحیح اندازہ خدا کے پاس ہے اور اس کے مطابق وہ اس سے حساب لے گا۔یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر ایک کا امتحان اس کی حیثیت اور توفیق کے مطابق ہوگا۔اسی طرح ہماری جماعت نے ایک عظیم مقصد اپنایا ہے۔جیسے کہ میرے پہلے بزرگ محترم احمد نواز صاحب نے اس جماعت کی کاوشوں کا ذکر کیا اور میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری اصلاح کی ہے کہ لاہور میں احمدیہ انجمن لاہور کے مقابل پر ایک اور جماعت، انجمن حمایت اسلام بھی تھی جو اسلام کی حمایت کی دعویدار تھی۔لیکن وہ لاہور میں متعدد تعلیمی ادارے اور یتیم خانے ہی بنا سکی۔ ہماری جماعت کا طرۂ امتیاز اور فرض اشاعت اسلام ہے، اسی عظیم مقصد اور اس کے حصول کے لئے اب تک اس نے سخت محنت اور قربانی کی ہے اور ہم نے اسلامی کتب اور قرآن کریم کو دنیا میں پھیلانے کا کام کیا اور اسی عزم پر قائم ہیں۔اب آپ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جماعت کو کتنا نوازا ہے۔ اس کے خاص فضل کی بات یہ ہے کہ جماعت نے اس عظیم الشان کام کی ابتداء اس زمانے میں کی جب نہ خزانہ تھا اور نہ بڑی تعداد۔لیکن پھر اللہ کے فضل سے اس جماعت نے وہ کام کیا ہے جو اس کی کوشش سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اس جماعت پر بڑا احسان ہے کہ نہ ہمارے پاس حکومت ہے نہ ہمارے پاس پیسہ ہے۔لیکن اس کے باوجود بڑے کام سرانجام ہوئے اور مزید بڑے کاموں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ برلین کے لئے موجودہ تعمیراتی کام کے لئے کروڑوں روپوں کی ضرورت ہے۔

دین کی اشاعت کے لئے دنیاوی مال کی قربانی

ہم ختم نبوت کے قائل ہیں ہر رنگ میں ہر معنی میں۔ہم تو کہتے ہیں کہ نہ نیا نبی آئے گا اور نہ پرانا آئے گا۔ہم تو صدق دل سے ختم نبوت کے قائل ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جو ہمارے ساتھ کے مسلمان ہیں ان تک یہ بات نہیں پہنچی۔وہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر زندہ رہنے اور آخری زمانے میں دوبارہ نزول پر مصر ہیں خواہ یہ قرآن کے خلاف ہو یا عیسائیوں کے غلط عقاید کی تائید ہو۔اس کے باوجود یہ چھوٹی سی جماعت اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے رد میں قابل قدر کام کر گئی اور کر رہی ہے۔ یہ اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔جب آپ صدق دل کے ساتھ کام کریں گے تو تھوڑے سے پیسے اور تھوڑی محنت کو بھی اللہ تعالیٰ انتہائی بابرکت بناتا ہے۔اب آپ دنیا کی امیر ترین ملک کی مثال دیکھ لیں۔مملکت سعودی عرب کے پاس کتنا پیسہ ہے۔ برونائی کی مسلمان حکومت کو دیکھ لیں اس کے سربراہ کی بادشاہوں کی سی حالت ہے۔ان کے جہاز میں ہر چیز سونے کی بنی ہوئی ہے، ان کے کھانے کی پلیٹیں بھی سونے کی بنی ہوئی ہیں۔اس سے پہلے سلطنت عثمانیہ کو دیکھ لیں اس کی وسعت اور وسائل کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا لیکن انہوں نے بھی قرآن شریف کی ترویج اور اشاعت کے لئے کوئی قابل قدر کام نہ کیا۔ اور ہماری چھوٹی سی جماعت کا صرف برلین مسجد کی تعمیر اور اشاعت کے کام کو ہی لے لیں۔حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے اس کے لئے اپیل کی۔صرف ان لوگوں کو نہیں جن کے پاس پیسہ تھا بلکہ ان لوگوں کو بھی بلایا جن کے پاس پیسہ نہیں بھی تھا جیسے خواتین۔ان کو کہا کہ آپ دو مشت آٹا روزانہ علیحدہ کریں اور وہ پیسہ مسجد کی تعمیر کے لئے خرچ ہو۔ زیورات خواتین کی پسند ہیں لیکن یہ ہماری جماعت کی خاص بات ہے کہ جب قرآن کے لئے یا مسجد کے لئے اپیل کی جاتی

ہے تو خواتین جن کو زیور عزیز ہے وہ قرآن کے نام پر بلا تامل زیور اتار کر دے دیتی ہیں۔ گذشتہ سال ہم برلن مسجد کے انٹرنیشنل کنونشن کے لئے لاہور گئے وہاں بھی ایک خاتون نے اپنی سونے کی بالیاں اتار کر دے دیں اور جب اس کی بولی ہوئی تو میں نے انہیں اپنی بیٹیوں کے لئے خرید لیں۔ میرے والد صاحب قاضی عبدالرشید صاحب مرحوم کہتے تھے کہ مفت کی دوائی لینا اور مفت کا مشورہ دینا میں پسند نہیں کرتا کیونکہ جب تک آپ خود اس میں اپنا پیسہ، اپنی جان، اپنی محنت خرچ نہ کریں۔ اس کی صحیح قدر شناسی نہیں ہوتی۔ یہ ہمارے سامنے اپنے بزرگوں کی روایت ہے۔ برلین مسجد اسلام سے محبت اور قربانی کا تاج محل ہے۔ اس کی تاریخ پڑھنے سے اور مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے لئے مثال دی ہے کہ میں ایسے کاموں کے لئے کوشش اور قربانی میں کس قدر برکت ڈال سکتا ہوں۔ اس چھوٹی سی جماعت نے جس کا مقصد اشاعت اسلام ہے اور یہ بات میں بار بار کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف مسلمانوں کو مختلف طریقے سے اسلام کے لئے، انسانیت کے بارے میں کام کرنے کی توفیق دی ہے۔ پاکستان میں ایک صاحب عبدالستار ایدھی مرحوم تھے انہوں نے ایمبولینس کا سسٹم بنایا۔ سب لوگوں کی مالی معاونت سے معذور لوگوں اور بچوں کی خدمت کے لئے انتہائی مفید ادارے بنائے۔ اس ایک مردِ مجاہد کے اخلاص، جرأت، بہادری اور سب سے بڑھ کر ایمانداری نے معجزہ کر دکھایا اور اللہ نے اس کو بین الاقوامی شہرت دی۔ تبلیغی جماعت والے بھائی ہیں ان کا بھی ایک نکتہ نظر ہے نماز پڑھو۔ اسی طرح انجمن حمایت اسلام مسلمانوں کے لئے تعلیمی ادارے، یتیم خانے بنا کر کام کرتی ہے۔ لیکن یہ جماعت ہے جس کا کام قرآن شریف کو پڑھنا، سمجھنا اور دوسروں تک پہنچانا ہے۔ یہ وہ کام ہے جو اللہ کا کام ہے اور اس میں اللہ کے فضل اور وعدہ کے مطابق دوسروں کو ابھی تک وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی ہے جو اللہ نے اس کو دی ہے۔ اس سلسلہ میں آج میں دوسری جماعتوں کے علاوہ تھوڑی سی تفصیل اوہائیو، امریکہ کے انجمن کے متعلق بتاتا ہوں۔ محترمہ ثمینہ بہن نے جو تفصیل مجھے ارسال کی ہے وہ یہ ہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے جس جانفشانی سے سات سال کی مدت میں تن تنہا قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کے کام کو مکمل کیا اور پھر جماعت کے مرد اور خواتین نے جس لگن اور قربانی سے اس کو عمدہ طریق پر انگلستان سے چھپوایا اور پھر اس کو پھیلایا یہ معجزنمائی نہیں تو کیا ہے۔ یہ ترجمہ وتفسیر اس وقت شائع ہوئی جب اس انجمن کو قائم ہوئے ابھی صرف تین سال ہوئے تھے۔ نہ دفتر تھا نہ کوئی خزانہ۔ لیکن تین سال کے بعد ہی اس کا دوسرا ایڈیشن 1920ء میں شائع ہوتا ہے۔ مشرق اور مغرب کے تبصرہ نگاروں، نقادوں نے، مسلمانوں اور عیسائیوں سبھی نے اس کو بیسوی صدی کا شاہکار کہا۔ پھر اس ترجمہ کو انگلستان سے بائیبل پیپر پر چھاپا گیا۔ جو کسی مسلمان مترجم یا مفسر کو اس وقت تک نصیب نہ ہوا تھا۔ لاہور کے احمدیوں نے قرآن مجید سے محبت اور اس کے لئے قربانی کا یہ ایک تاریخی باب رقم کیا۔ پھر جب ووکنگ مشن ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہا جو اس ترجمہ کی طباعت اور اشاعت کا اہم مرکز تھا۔ اور ادھر پاکستان میں تحریک احمدیت کے لئے مخالفوں نے آئینی اور عملی مشکلات پیدا کر دیں۔ تو لاہور کے ہی احمدیوں نے اوہائیو جماعت کی مالی امداد کی اور ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب اور دیگر احباب نے اس کام کو سنبھالا اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب مرحوم ومغفور کی سرپرستی میں قرآن مجید کے امریکہ سے طباعت اور اشاعت کا کام شروع ہوگیا۔ اس کے بعد اس کے غیر ملکی زبانوں میں تراجم کا کام شروع ہوا۔ لاہور جماعت کے چند مقتدر احباب نے اس کے لئے گرانقدر عطیہ جات دیئے اور اب بھی دیتے ہیں۔ محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ کی دلچسپی اور محنت سے یہ جماعت اشاعت قرآن کے لئے قابل ستائش کام کر رہی ہے۔

70 ہزار کاپی روسی زبان میں، 6 ہزار کاپی انگریزی ترجمۃ القرآن انڈیا کے لئے، 3 ہزار کاپی جرمن زبان میں جرمنی کے لئے، 7 ہزار کاپی ریلیجن آف اسلام آسٹریلیا کے لئے اور کئی ہزار مزید کاپیاں نائیجریا کے لئے اور اسی طرح 6 ہزار کاپی ازبکستان، تاجکستان، کرگستان اور 3 ہزار کاپی ساؤتھ افریقہ جماعت کے لئے ارسال کی گئیں ہیں۔

جماعت احمدیہ کا مقصد

قرآن مجید کی تعلیمات کو پھیلانا ہے

میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو دوبارہ اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جماعت کا مقصد وہی ہے جو پہلے تھا۔ اشاعت اسلام اور اشاعت اسلام میں سب سے بڑا کام قرآن شریف کی تفہیم اور اس کی اشاعت ہے ۔ یہ مقدس کتاب ہی اسلامی تعلیمات کا منبع اور روح ہے اور یہی اسلام کا مبلغ ہے اور الٰہی پیغامات کا مجموعہ ہے۔ اس کی تعلیم انسان کو انسانیت سکھاتی ہے اور انسانیت کے کاموں کی ترغیب دیتی ہے تا کہ یہ دنیا امن اور خوشی کا گہوارہ بنے۔ اس کے عملی نمونہ کو دکھانے اور تربیت کے لئے ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا'' کا عہد اس زمانہ کے امام نے ہر فرد سے لینا فرض قرار دیا۔ اب ہم نے اس کو پورا کرنا ہے۔ دین اور دنیا میں جب بھی مقابلہ ہوگا۔ دو آپشن آئیں گے۔ ہم نے ہمیشہ دین کو فوقیت دینی ہے اور دنیا کو چھوڑنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ہمارے مبلغین نے اسی راہ کو اپنایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابیاں عطا کیں کیونکہ انسان کی جتنی بھی کوشش ہو جب تک اللہ کی طرف سے نصرت نہ آئے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ جس طرح قرآن میں کہا گیا ہے کہ ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب اللہ کی طرف سے نصرت آتی ہے تو لوگ جوق در جوق ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوتے ہیں''۔ ابھی برلین مسجد کا ذکر ہو رہا تھا میرے دو دوست بھی برلین میرے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ اور لوگ بھی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ کیا عظیم الشان مسجد ہے او راس میں کیا کام ہو رہا ہے۔ رپورٹیں تو پڑھتے تھے لیکن یہاں آنکھوں سے لوگوں کو آتے اور اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔ ہم اگر کچھ نہیں تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ ہم مالی طور پر اس کام کی مدد کریں۔ اگر ہم عملی طور پر اس کام میں مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ہمارے بزرگوں کی میراث ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے کہ انسان کو قرآن شریف سمجھنے کی توفیق ملے۔ یہ فیض اسی کو مل سکتا ہے جو قرآن شریف کے بتائے ہوئے طریق پر عمل کرے کہ سب سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے تا کہ جو شیطانی وسوسے اور خیالات انسان کو گمراہ کرتے ہیں ان سے ہم بچیں تا کہ ہم قرآن کے صحیح معنی کو سمجھ سکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مشہور سورۃ 56 الواقع کی آیت 29 میں فرمایا: ''قرآن کو وہ چھو نہیں سکتا کہ جو پاک اور صاف نہ ہو'' عام مولوی حضرات تو صرف اس بات پر زور دیتے ہیں کہ وضو کریں تو بس پاک ہو گئے اور قرآن کو چھو لیں۔ یہ تو صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے۔ لیکن اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ قرآن شریف کو جب آپ پڑھیں جیسے حضرت مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ آپ کے جو پہلے سے خیالات ہیں ضروری نہیں، وہ صحیح ہوں۔ آپ کو چاہیے کہ دل و دماغ کھول کر اس کو پڑھیں اور پھر اپنے خیالات اور اعمال کو پرکھیں۔ اور آپ دیکھیں گے کہ قرآن شریف نے کسی جگہ پر ایک بات کہی ہے تو دوسری جگہ پر اس کی نفی کبھی نہیں کی۔ انسان کی کتاب میں پہلی کہی ہوئی بات کی نفی ہو سکتی ہے یا بعد میں وہ اس سے مختلف بات کرتا ہے۔ لیکن قرآن میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر اور تصریح کرتا ہے۔ قرآن شریف اگر کسی خیال کو ایک جگہ پر بتاتا ہے تو دوسری جگہ اسی خیال کو دوسرے طریقہ پر ایک اور پیرائے میں یا ایک اور مثال سے آپ کو سمجھاتا ہے۔ مقصد وہی ہوتا ہے لیکن وہ آپ کو وہی بات ایک اور رنگ میں بتاتا ہے۔ قرآن شریف سائنس کی کتاب نہیں ہے لیکن قدرت کے عجائبات کو پیش کر کے کہتا ہے کہ عقل والوں کے لئے یہ نشانیاں ہیں۔ قرآن کا اصل مقصد انسان کی بہتری ہے، جسمانی بہتری بھی اور روحانی بہتری بھی۔ اور قرآن ہمیں سمجھاتا ہے کہ آپ کی روح اگر ٹھیک ہے تو آپ کی معاشرت بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کا مقصد صحیح راستہ دکھانا ہے

قرآن مجید کا مقصد آپ کو صحیح راستہ دکھانا اور سمجھانا ہے اور اس راستہ کی طرف رہنمائی کے لئے آپ کی نمازیں ہیں حج اور زکوٰۃ ہے اور دیگر صدقہ اور خیرات اور نیکی کے کام ہیں لیکن وہ منزل نہیں ہیں۔ وہ راستے ہیں جن پر چل کر یا

جن کی بدولت آپ منزل پر پہنچتے ہیں۔ان کے بارے میں حضرت مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں: ''نیت یا ارادہ، جذبہ اور اعمال یہ تینوں چیزیں مل کر راستہ متعین کرتی ہیں''۔

Pashion یا جذبہ ایمان کا دوسرا نام ہے۔دن رات ہم میں یہی تڑپ ہو، اسی کے حصول کا لالچ ہو کہ ہم کسی طرح اللہ کے قریب سے قریب تر ہوجائیں اوراس کی رضا حاصل کریں۔اور جو اس نے ہمیں پیغام دیا ہے اس کو ہم اپنی زندگیوں میں عملی طور پر لائیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ USA جماعت کے ذریعہ سے 8 زبانوں میں قرآن شریف کے تراجم شائع ہوئے ہیں اوران کی تقسیم بھی ہورہی ہے۔

اب مزید 13 زبانوں میں قرآن شریف کے تراجم کا پروگرام ہے اور دنیا تک پہنچانا ہے۔جس طرح حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بڑی اچھی مثال دی ہے کہ جب پہاڑ پر چڑھنا ہوتو جب انسان درمیان میں پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ چوٹی تک پہنچنے کے لئے اب نصف راستہ تو طے ہوگیا ہے اور زیادہ ہمت سے کوشش شروع کردیتا ہے۔چوٹی تک پہنچ کر اس بلندی پر اپنے اندر پہاڑ جیسی ہمت محسوس کرتا ہے۔اشاعت قرآن اللہ کی عظمت کا پہاڑ ہے جس کو سر کرنا ہمارا مقصد ہے۔میں سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع کرتا ہوں پھر اپنے عزیز و اقارب سے کہتا ہوں اور پھر خواتین سے کہتا ہوں کہ جیسے گاڑی میں GPS سیٹ کریں تو منزل پر پہنچنا یقینی ہوجاتا ہے، اسی طرح اب ہمارا GPS سیٹ ہے جوصرف اور صرف اشاعت اسلام ہے۔ہم اشاعت اسلام کے لئے سفر پر روانہ ہوچکے ہیں امام وقت نے ہماری زندگی کو اسلام کی اشاعت کے جذبہ سے معمور کردیا ہے۔ہر روز کوشش کریں ایک آیت قرآن کا پڑھیں، سمجھیں اوراس کو اپنی زندگی پر حاوی کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کا قرآن کے لئے مجاہدہ

مجھے کہا گیا ہے کہ میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی زندگی کے بارے میں بھی کچھ بات کروں۔ میں تو اپنے والد مرحوم قاضی عبدالرشید صاحب کی بات کہوں گا کہ جب بھی انہیں کہا جاتا کہ آپ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی زندگی کے بارے میں کچھ کہیں تو وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ اسوہ حسنہ صرف ایک ذات کا ہے اور وہ محمد مصطفیٰ صلعم کی ذات ہے اور ان کے علاوہ لوگ مجاہدہ سے ہی اس اسوۂ حسنہ پر مضبوطی سے قدم مارتے ہیں۔ جو کتاب ان کی زندگی کے بارے میں لکھی گئی ہے اس کا نام ''مجاہد کبیر'' ہے اور واقعی وہ اسم بامسمہ ہے۔وہ ایک نہایت قابل قدر مجاہد کی زندگی تھی۔

جو آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی اس کی رو سے وہ مجاہد تھے۔اس میں کہا گیا ہے کہ ''وہ جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں سو مارتے ہیں اور مرتے ہیں''۔اب میں اس کی وضاحت کرتا ہوں۔اللہ کی راہ میں جنگ اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے۔سب سے پہلے اپنی ذات سے جہاد کرنا ہے۔اپنی بُری عادات سے، بُرے اخلاق سے جو سب سے مشکل کام ہے۔اس خطبہ میں حضرت مولاناؒ نے یہی کہا ہے کہ جب دوسروں کی برائیاں بیان ہوتی ہیں تو ہم سارے مل کر بیان کرتے ہیں۔ہم خوش ہوتے ہیں کہ اس آدمی نے ہمارے ساتھ برا کیا تھا۔اس کے ساتھ بھی برا ہوا ہے۔لیکن جب ہمارے بارے میں کوئی برائی بیان کرے تو ہمیں یہ بات بُری لگتی ہے۔وہ لوگ جن کو نفس مطمئنہ حاصل ہے جس طرح کہ میں نے اپنے والد صاحب سے سنا ہے اور انہوں نے حضرت مولانا محمد علیؒ کو قریب سے دیکھا۔انہوں نے یہی دیکھا ہے کہ وہ تنقید سنتے تھے، برداشت کرتے تھے۔ان کا جو سب سے بڑا اختلاف جس کی وجہ سے وہ قادیان چھوڑ کر آئے تھے انہوں نے اس کے بارے میں کبھی بھی سخت الفاظ استعمال نہیں کئے۔ہم جب ان کی تحریرات پڑھتے ہیں تو وہ ہمیشہ ان کو میاں صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ان کے سامنے اگر ان کے خلاف کوئی بات کی جاتی تو وہ منبر سے اتر کر نیچے بیٹھ جاتے کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہیں۔

اسلام کے لئے قابل قدر علمی خدمات

جب حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ نے قادیان کے خلیفہ میاں محمود احمد

صاحب کے اعتقادات سے اختلاف کیا اور ان کو چھوڑ کر آئے تو اپنے ساتھ قرآن کریم کا جو ترجمہ لکھ رہے تھے وہ اپنے ساتھ لے آئے۔ افسوس کہ ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن چور تھا۔ یہ قرآن چوری کر کے لایا تھا۔ لیکن حقیقت ہے کہ ابھی آخری چار پارے کا کام رہتا تھا جو لاہور آ کر مکمل ہوا۔ پھر اُردو میں تفسیر بیان القرآن تین جلدوں میں تالیف کی۔ جس میں اضافی تفسیر کے علاوہ لغت کا بیش قیمت خزانہ مہیا کر ڈالا۔ اس کے بعد ریلیجن آف اسلام جیسی ضخیم اور بے نظیر تصنیف لکھ ڈالی۔ لاہور میں تو کوئی ان کا مددگار نہ تھا تو اللہ تعالیٰ مخالفوں کے منہ سے وہی بات نکالتا ہے جو سچی بات ہوتی ہے۔ حضرت مولانا قرآن مجید کا وہ خزانہ اپنے ساتھ لائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے ان کو عطا کیا تھا۔ یہ خزانہ انہی کا تھا اور انہی کے ذریعہ یہ دنیا میں پھیلا اور لوگوں کو اس نے قرآنی معارف سے مالا مال کر دیا۔ آپ کو قرآن شریف سے اتنا عشق تھا کہ آپ سفر میں بھی ہوتے تو قرآن شریف آپ کے پاس ہوتا۔ آپ نے بے شمار تحریرات قرآن مجید، حدیث، اسلام اور اس کے بانی کی تحدیث میں لکھیں اور مغرب والوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کروایا۔ 50,000 صفحات تو آپ کی زندگی میں ہی ہو گئے تھے۔ خطبات اور مضامین اس کے علاوہ ہیں۔ آپ جماعت کے امیر تھے۔ جماعت کے معاملات کو بھی دیکھنا ہوتا تھا اس کے بعد تحقیق، تصنیف کے دقیق کام کے لئے وقت نکالنا ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرآن مجید کی خدمت تھی جو ہر جگہ آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ ہندوستان کا جب بٹوارہ ہوا تو آپ ڈلہوزی میں تھے جب آپ لاہور تشریف لائے تو ان کے پاس ایک ہی چیز تھی وہ قرآن کریم تھا جسے وہ اپنے ساتھ لائے۔

حضرت مولانا کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا عظیم الشان کام

آپ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کو شائع ہوئے سو سال ہو گئے ہیں اور اس سال اُس کی صد سالہ تقریب منائی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اور بہت بڑا کام جس کے لئے دنیا رطب اللسان ہے وہ بیان القرآن ہے۔ قرآن شریف کا اُردو میں ترجمہ اور تفسیر۔ ابھی مصر میں جامعہ الازھر سے ملحقہ ادارہ کے ایک عالم نے انگریزی تفسیر کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ جس نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور BBC کے عربی کے نشریات کے شعبہ کے انچارج ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ میں نے یہ ترجمہ اس لئے کیا ہے کہ مولانا محمد علیؒ صاحب نے اس میں جو بات لکھی ہے اس کی قرآن، حدیث، قدیم مفسرین اور لغت سے دلیل دی ہے۔ اس میں قصے کہانیاں اور روایتیں نہیں ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ان روایتوں کو پڑھ کر جن کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے، میں اسلام سے متنفر ہو گیا تھا۔ ان کی تفسیر کے بارے میں مترجم نے جو خاص بات لکھی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف اپنا نقطہ نظر نہیں بتایا بلکہ پہلے مفسرین اور ماہر لغت کی رائے لکھتے ہیں اور پھر اپنا نقطہ نظر لکھتے ہیں۔ اس کے لئے دلیل اور حوالے دیتے ہیں، ہر بات جو کہی اس کو قرآن سے بھی دلیل اور حوالہ دیتے ہیں۔ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر اکرام جہانگیری صاحب نے بھی ایک کتاب لکھی ہے اس میں ایک ہزار حوالے قرآن و حدیث سے پیش کیے ہیں۔ ہم تو اس کو شوق سے پڑھتے ہیں لیکن ایک عام آدمی کے لئے شاید وہ مشکل ہو کیونکہ اس میں اتنے حوالے ہیں کہ قاری ان میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن کمال ہے حضرت مولانا محمد علی صاحب کے علم اور ان کے طرز بیان کا کہ انہوں نے ان سب حوالوں کو اس طرح لکھا ہے کہ ایک آدمی کو آسانی سے بات سمجھ آ جاتی ہے اور پڑھنے میں اس کو مزا بھی آتا ہے۔

اب میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کی زندگی کی کچھ باتیں بتاؤں گا۔ آپؒ سے جن کا تعلق تھا اُن میں میرے والد صاحب مرحوم بھی تھے۔ آپ بالکل سادہ لباس پہنتے تھے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میں جب طالب علم تھا اور دس بارہ سال بعد بھی ان کو دیکھا تو انہوں نے وہی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ تو میں نے ان کو نیا کوٹ تحفۃً پیش کیا۔ میرے والد کو ان کے ساتھ خاص محبت اور عقیدت تھی۔

جب آپ قادیان سے مہاجر ہو کر آئے تو آپ کو لاہور انجمن میں ایک گھر جو ابھی بن رہا تھا دیا گیا جس کے دروازوں پر بوری کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پھر ایک دن کسی نے دیکھا کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے گھر سے کوئی برتن لے کر جا رہا ہے تو اس نے اس شخص کو روکا اور پوچھا کہ برتن کہاں لے جا رہے ہو تو پتہ چلا کہ ان کی زوجہ محترمہ نے وہ بیچنے کے لئے بھیجے ہیں تا کہ کوئی کھانے کی چیزیں خریدی جا سکیں۔

قرآن سے عشق کی کیفیت

ان کے آخری دنوں کی چند باتیں بیان کر کے اجازت لوں گا۔ ان کی زندگی کا خاص معمول تھا کہ وہ تہجد کے وقت قرآن شریف پڑھتے تھے اور باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ان کی ایک ایک رکعت آدھ گھنٹے کی ہوتی تھی۔ پھر اس کے بعد آپ سیر کے لئے چلے جاتے تھے۔ اس سیر میں گپ شپ بھی ہوتی تھی اور سوال و جواب بھی ہوتے تھے۔ وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہوتے اتنے قریب ہو کر سیر کرتے کہ بعض اوقات جوتا ایک دوسرے کے اوپر آ جاتا اور دوسرے کا جوتا اتر جاتا۔ یہ لوگ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے کہ کس نے یہ حرکت کی ہے۔ ان کی ساری زندگی قرآن شریف کی خدمت میں گزری۔ ان کو دل کی تکلیف تھی۔ اتنے بیمار ہو گئے کہ موت کے قریب تھے۔ جماعت کی طرف سے دعا کی گئی تو وہ کہنے لگے کہ دعا کریں اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے زندگی دینی ہے تو مجھے اس درد سے چھٹکارا دے ورنہ مجھے خوشی اور سکون کی موت دے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ہوا کہ ان کی زندگی دراز ہوئی۔ کافی کمزور تھے۔ انگلینڈ سے قرآن شریف کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن کے پروف آنے شروع ہوئے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری سال تھا۔ انہوں نے آرام کرسی پر بیٹھ کر پروف دیکھے اور پھر آخر میں پیش لفظ بھی لکھا اور اس کے پروف بھی پڑھے۔ نصیر احمد فاروقی صاحب جن کے پاس وہ کراچی میں قیام پذیر تھے۔ وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کمزوری کے باوجود وہ کہتے تھے کہ تہجد کے وقت مجھے ضرور اٹھایا کریں اور وہ خود بھی اٹھ جایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں دل کی تکلیف کے لئے دوائیں نہیں تھیں۔ ڈاکٹر اس زمانے میں مورفین انجکشن لگا دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ اٹھ جایا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے مجھے قرآن شریف سناؤ اور اس حالت میں بھی آپ غلطیوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ پھر جب ایک وقت آیا اور ان کو پتہ چلا کہ ان کی زندگی کا آخری وقت ہے تو انہوں نے نصیر احمد فاروقی صاحب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ ''دنیا تک قرآن کو پہنچاؤ، آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔'' آج یہی آخری وصیت ان کی ہمارے پاس بطور امانت ہے۔ ہمیں دنیا تک قرآن کو پہنچانا ہے۔ ہم ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہیں جن کے پاس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، وہ ہے قرآن پاک۔ اس کے آگے دنیا کی کوئی دولت نہیں۔ سب سے پہلے اس کو اپنی زندگیوں میں لے کر آئیں۔ اور جہاں تک ہو سکے یہ جو کام ہو رہے ہیں اس کو آگے بڑھائیں اور یہ جو مرکز اللہ تعالیٰ نے ہمیں برلن مسجد کی شکل میں دیا ہے اس کو مضبوط کریں اور اس کی ہر ممکن خدمت کریں۔ یہ بھی ہماری ایک اور عظیم ہستی حضرت مولانا صدر الدین صاحب مرحوم و مغفور کا شاہکار ہے جن کے کاموں کا مرتبہ حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے ترجمۃ القرآن اور دیگر تصنیفات سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ان کی زندگی کے بارے میں کہنے کو تو بہت کچھ ہے لیکن وقت بہت کم ہے۔ ان کی اہلیہ، ان کے نوکروں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ انسان کے بارے میں تین لوگ بہترین جانتے ہیں، ایک دوست، بیوی اور ملازم۔ میرے والد ان کے پرائیوٹ سیکرٹری رہ چکے تھے وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضرت مولانا تین بجے کے قریب اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا لیکن اگر کوئی مہمان آ جاتا، جب تک مہمان اٹھ نہ جاتا وہ نہیں اٹھتے تھے۔ جو لوگ ان کو جانتے تھے کہ ان کا وقت اتنا قیمتی ہے وہ خود ہی ان کا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

آخر میں صرف یہ عرض کروں گا۔ جنت کی کیا قیمت ہوگی؟ اس کا ذکر تو اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کا وعدہ کیا ہے جس میں اتنے

عظیم الشان لوگ ہوں گے۔ تو کیا اس باغ میں جو اس دنیا میں ہی میسر آ جاتا ہے ہم بھی اس میں شامل نہ ہو جاویں؟ اس کے حصول کے لئے وہی کچھ کرنا ہے جو قرآن مجید اور رسولؐ نے ہمیں بتایا ہے اور جو عملی طور پر ہمارے بزرگوں میں نظر آتا تھا

ان کی اہلیہ نے ان کے بارے میں ان کی وفات کے بعد ایک تقریر میں ایک شعر پڑھا تھا جو ان کی زندگی کے حسن کو کیا خوب بیان کرتا ہے:

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
تم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

آخر میں اس دعا کے ترجمہ پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ ''اے اللہ اس کی مدد فرما جو دین محمد صلعم کی مدد کرے اور ہم کو بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں شامل کرے جو اسلام کی تائید کرتے ہیں اور ان لوگوں میں نہ شامل کرنا جو اس کی تذلیل کرتے ہیں''۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نام پر کتنا قتل و غارت ہو رہا ہے کتنی اسلام کی توہین ہو رہی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے اور اللہ کی قربت جو زندگی کا مقصد ہے، اسے نصیب فرمائے۔ قرآن شریف کی اشاعت کے کام میں ہمیں کامیاب کرے۔ آپ کی وفات 13 اکتوبر 1951ء کو ہوئی۔ اور آپ کا جسد خاکی کراچی سے بذریعہ ریل لاہور لایا گیا اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ کی قبر پر جو کتبہ لکھا ہوا ہے اس میں انہیں سلطان القلم کا صحیح وارث لکھا ہوا ہے قلم کا بادشاہ۔ یہ قلمی جہاد کرنے والے وہ عظیم الشان انسان تھے جنہوں نے قلم کے ساتھ جہاد کا حق ادا کیا۔

☆☆☆☆

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

مِلا تھا ہم کو قسمت سے یہ میرِ کارواں ایسا

ہوئی خاموش محفل میں جو تھی اک شمع نورانی
نمایاں جس کے دم سے تھا جہاں میں نُورِ ایمانی
محمدؐ اور علیؓ کے نام کا وہ متقی انسان
ہوئی جس کی بدولت علم و عرفاں کی فراوانی
مسیح وقت لے لُطف و کرم کا فیض تھا یہ بھی
کہ اس کے جذبہ ایثار میں تھا جوشِ ایمانی
چُنا تھا حق نے اس کو خدمتِ قرآن کی خاطر
قیامت تک گواہی دے گی یہ تحریکِ قرآنی
روانی فیض سلطانِ قلم سے وہ قلم میں بھی
کہ دنیا کرسکی پیدا نہ اس کا آج تک ثانی
جہادِ فی سبیل اللہ میں تھا منہمک ایسا
نہ تھا رنجِ گرانجانی نہ فکرِ تن آسانی
مِلا تھا ہم کو قسمت سے یہ میرِ کارواں ایسا
کہ جس کی رہنمائی سے ہوئی منزل کی آسانی
جماعت کو بفضلِ حق ہدایت تیری ازبر ہے
کرے گی علم قرآں کی قیامت تک نگہبانی
درخشاں جس کے دم سے تھی رہِ دیں میں خداترسی
حقیقت کورچشموں نے مگر اس کی نہ پہچانی
الٰہی پھول برسیں قبر پر روز قیامت تک
رہے سایہ فگن تاحشر اس پہ فضلِ ربانی

(برق اکبرآبادی)

خطبہ جمعۃ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

مورخہ 23 جون 2017ء بمطابق 27 رمضان المبارک، بمقام جامع دارالسلام لاہور

ترجمہ: ''اللہ بے انتہاء رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

''ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اُتارا اور تجھے کیا خبر ہے لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن ہر امر خیر کو لیے ہوئے اُترتے ہیں۔ سلامتی یہ طلوع فجر تک ہے۔''

(سورۃ القدر)

آج کا خطبہ ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے کہ آج 27 واں روزہ ہے جس کو زیادہ تر مفسرین احادیث لیلۃ القدر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور یہ جمعۃ الوداع بھی ہے۔ ایک اور خصوصی بات یہ ہے کہ پاکستان کا قیام بھی آج سے 70 سال پہلے 1947ء رمضان ہی میں جمعۃ الوداع کے موقع پر لیلۃ القدر کی رات کو ہوا۔ اس لئے آج ہم اپنے وطن عزیز کے لئے خصوصی دعائیں کریں اور جن حالات سے وہ گزر رہا ہے اللہ تعالیٰ سے ہم یہ بھی دعائیں کریں کہ وہ ان حالات میں اس کے لئے بہتری لائے اور اس کو وہ ملک بنا دے جس میں تمام مذاہب کو اور تمام اسلام کے فرقوں کو مکمل آزادی ہو۔ وہ اپنا دین، اپنی عبادت جیسے بھی کرنا چاہیں آزادی سے کریں۔ اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو آزادی ہو جیسا کہ قوم کے بانی محمد علی جناحؒ کا منشور تھا جس کے تحت یہ ملک بنایا گیا اور اے اللہ! جس ارادے سے یہ ملک بنا اس کے مطابق تمام مذاہب کو بلا امتیاز اپنے اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی عطا فرما اور اس پر قائم رہنے کی توفیق دے اور جن حکومتی فیصلوں کے ماتحت ہماری جماعت کو ایک مشکل زمانہ دیکھنا پڑ رہا ہے اللہ تعالیٰ اس فیصلے کو اپنی جناب سے، اپنے طریقہ سے، اپنے منصوبے کے ماتحت ختم کر ڈالے اور ہماری جماعت جس کا مقصد دنیا میں اسلام کے امن والے پیغام کو پھیلانا ہے اور قرآن کریم کی تعلیم کو فروغ دینا ہے ہمیں اس کام میں آسانیاں عطا فرمائے۔ آمین

آج کے خطبہ میں کچھ نکات جو پچھلے خطبہ میں باقی رہ گئے تھے وہ مکمل کرنے ہیں۔ جو نکات میں نے پچھلے خطبہ میں بیان کر دیئے ہیں ان میں ''القدر'' کے لغوی معنی قرآن کے نزول اور اس کی تعلیم کی وجہ سے ایک مردہ بگڑی ہوئی قوم کو نئی زندگی ملنا اور اس کی پُر اثر تعلیم پر عمل کرنے سے انسانوں میں جو تبدیلیاں آتی ہیں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار ماہ سے کیسے بہتر ہے اس کے متعلق بھی ہم نے سن لیا ہے۔ القدر کی پہلی تین آیات کی تفسیر ہو چکی ہے۔ آج دو آیات جو باقی ہیں ان پر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ اس میں ملائکہ اور روح کا ذکر آتا ہے۔ جن تفاسیر کا میں نے مطالعہ کیا ان میں روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک دو تفاسیر ہی ایسی ہیں جن میں یہ بتایا گیا کہ یہ روح الامین کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو سکتی ہے جس کا علم انسان کو نہیں دیا گیا۔ روح القدس ہم حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ہی تصور لیتے ہوئے بات کرتے ہیں۔

فرشتوں کا اُترنا کیا اہمیت رکھتا ہے؟

فرشتوں کا وجود ایک روحانی وجود ہے۔ فرشتے ایک ہستی اور ایک ایسی مخلوق ہیں جو روحانیت سے وابستہ ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر اشرف المخلوقات بنایا اور ان سے انسان کی اطاعت کروائی یعنی دوسرے الفاظ میں سجدہ کروایا۔ ان کے ذمہ انسانوں کی خدمت اور بہت سے کام لگائے جن میں سے ایک بہت اہم کام انسان کے دل کے اندر روحانیت اور روحانی

خیالات پیدا کرنا اور نیکی کی تحریک ڈالنا ہے۔ان کا کثرت سے اُترنا اس طرف ہی اشارہ کرتا ہے کہ رمضان شریف میں ایک بڑی مشق جس کو ہم فوجیوں کی ورزش کے ساتھ تشبیہہ دے سکتے ہیں جن سے ان کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان دنوں فرشتے دل میں جو نیکیاں ڈالتے ہیں، وہ اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں اور اس سے انسان کے اندر ایسی تبدیلیاں آتی ہیں جیسے خشک زمین کے اوپر جب بارش گرتی ہے تو اللہ اسے زندگی عطا فرماتا ہے۔اسی طرح انسان کی روح کے اوپر بھی جب فرشتے نازل ہوتے ہیں اُسے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ تشبیہہ دی گئی ہے۔خشک زمین کی طرح اس کی روح میں ایک نئی زندگی پھوٹتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قریب پاتا ہے اور اس کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبولیت بخشتا ہے۔ جو جو اس رات انسان دعائیں کر رہے ہوتے ہیں اس وقت وہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے اس بندے کے لئے جو دعا کر رہا ہوتا ہے، دعا مانگ رہے ہوتے ہیں اور اس کی دعاؤں میں آمین کہتے ہیں کیونکہ اس عشرۃ میں کثرت سے استغفار مانگی جاتی ہے تو یہ ایسے دن اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی میں رکھے کہ جو غلطیاں اس نے کیں اُن سے توبہ کرے۔انسان رمضان میں استغفار کرتا ہے اور اُسے پوری طرح اپنا مشن بنا لیتا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے گناہوں کی معافی مانگ لے۔اس پر جو فرشتے نازل ہوتے ہیں وہ آمین کہتے ہیں اور اس کی وجہ سے انسان کے جو ارادے ہوتے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ پختگی بخشتا ہے اور ان کی جو تقدیر لکھی جاتی ہے اس میں ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے کیونکہ اس کی استغفار قبول ہو چکی ہوتی ہے اور اُس کے ارادے بھی آئندہ سال کے لئے پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔

فجر تک سلامتی کا مفہوم

عربی میں سلامتی لفظ کی جڑ وہی ہے جو سلام کی ہے یعنی س ل م۔اللہ تعالیٰ اسلام کے پیغام کی اور پکی بنیاد لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اور جو اسلام کا امن کا پیغام ہے۔اس کو آگے لے کر چلتا ہے۔س، ل، م کا تصور عربی میں اونٹ کے ناک میں جو رسی ڈالی جاتی ہے اس کا ہے۔اس رسی کو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں بھی تھما دیں تو وہ اس کو جہاں چاہے لے جا سکتا ہے اور اس طرح اونٹ کے پیچھے جو قطاریں ہوتی ہیں وہ بھی اسی طرح پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ایک انسان کی جس کے ہاتھ میں وہ رسی ہے اس کی مکمل اطاعت میں اونٹ ہوتے ہیں۔اس لئے اسلام کو بھی یوں تصور کیا جائے کہ یہ رسی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کی منشاء پر چلے۔اور اس سے وہ بغاوت نہ کرے اور اس کے بتائے ہوئے رستوں پر بالکل اسی طرح چلے جیسے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے تو وہ ایک سلامتی ہوگی اور اس سلامتی کی طرف بھی اس سورۃ میں توجہ دی ہے کہ انسان نے جیسی بھی زندگی اس سے پہلے گزاری وہ اگر یہ ارادہ کر لے کہ اس نے اس زندگی میں تبدیلی لانی ہے اور جو ایک آزاد جانور کی طرح پھر رہا ہے اپنا نفس امارہ لیے ہوئے۔اس کی رسی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تھما دینے کا فیصلہ کرے اور پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ فرمان دیا اُس پر عمل کرے۔رسول کریم صلعم نے جو اعلیٰ نمونہ، اسوہ حسنہ دکھایا اس کے مطابق زندگی بسر کرے۔یہ ارادہ کر لے کہ جیسا اس کا حکم ہوگا اس پر ہی زندگی بسر کرے گا۔یہ اب انسان پر منحصر ہے کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دے دی ہے اور وہ آزادی ایک مشروط قسم کی آزادی ہے۔ جب انسان فیصلہ کر لے کہ میں جیسے چاہوں کروں وہ بیشک کر سکتا ہے لیکن اس کا جواب دہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے جس کو عام الفاظ میں انسان کہتا ہے کہ یہ ثواب ہو گیا اور یہ گناہ ہو گیا اور اس کا یہ اجر ملے گا اور وہ اجر ملے گا، یا جنت ملے گی یا دوزخ ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے یہ مثالیں دے کر فرما دیا کہ جنت اور دوزخ کیا ہیں۔ایک میں کتنی آسانیاں اور خوبصورتیاں ہیں اور دوسری میں کتنی مشکلات اور نقصانات ہیں۔انسان کو سمجھانے کے لئے وہ تمام چیزیں قرآن میں بیان کر دی گئیں لیکن احادیث میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ انسان کی سوچنے کی جو حس ہے وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ جنت اور دوزخ کیا چیز ہے۔ جنت میں جانا اور دوزخ سے بچنا اللہ کا کہا ماننا یا نہ ماننا ہے۔اللہ تعالیٰ کی مکمل رضا مقصود ہے جس نے وہ رضا پائی اس نے جنت پائی اس جہاں میں بھی اور

آخرت میں بھی۔ جو پھل اس نے آگے جا کر کھانا ہے وہ اسے اس جہاں میں بھی چکھنے کو مل جاتا ہے۔

ترجمہ: ''جب کبھی ان کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا کہے گا یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور انہیں ملتا جلتا (رزق) دیا جائے گا۔'' (سورۃ البقرہ آیت 25)

اس لئے جنت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے وہی سب سے بڑا اس دنیا میں پھل ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز نہیں کہ انسان کہے کہ وہاں یہ پھل ہوں گے اور ان کے یہ ذائقے ہوں گے اور ہر لقمہ کے ساتھ ذائقہ بدلے گا۔ یہ تصور کی باتیں ہیں۔ اصلی تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو رشتہ جوڑنا ہے اس کو آگے لے کر جنت میں جانا ہے اور پھر جنت میں بھی درجات ہیں۔ یہ نہیں کہ جنت میں جانا ہے اور ایک مخصوص جگہ بیٹھ جانا ہے بلکہ وہاں بھی استغفار اور اللہ تعالیٰ کی تعریفوں اور حمد کا سلسلہ جاری رہے گا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے اور قریب کرتا جائے گا۔ اس دنیا میں لوگ بہت خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی کہے کہ میں اپنے افسر کے بہت قریب ہوں، اور قریب ہونے والوں میں سے بھی درجے ہیں، کوئی اس کو خط لکھ سکتا ہے، کوئی اس کو دیکھ سکتا ہے، کوئی مل سکتا ہے اور کوئی بالکل ہی اس کے قریب ہوتے ہیں تو وہ درجات جنت میں بھی آگے بڑھتے جائیں گے۔ رسول کریم صلعم جو تمام مقامات سے اونچے مقام پر تخلیق کے وقت سے ہی قائم ہیں ان کے لئے ہم مقام محمود کی دعائیں کرتے ہیں کہ اس مقام کو اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیں یہ ہمیشہ اُمید رکھنی چاہیے کہ وہ ہمیں اچھے سے اچھے مقام عطا فرمائے گا اور اپنے قریب ترین اور اپنے بہترین ساتھیوں میں جگہ دے گا اور ہمارے تمام گناہ جو ہم اس دنیا میں کرتے رہتے ہیں وہ ان کو بخش دے گا۔ یہ بخشش کا مہینہ ہے، اس میں کثرت سے لوگ بخشش مانگتے ہیں، اپنے کیے ہوئے گناہوں کی معافیاں مانگتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے، وہ غفور الرحیم، رحمٰن، کریم، عفو، رؤف، تواب، حلیم اور ستار ہے۔ انہی اسماءُ الاحسنہ کی وجہ سے اس کی خواہش ہے کہ لوگ اس سے معافی مانگیں اور وہ ان کو درگزر کرے۔ وہ توبہ کریں اور وہ رجوع برحمت ہو اور وہ اپنے کیے پر نادم ہوں اور وہ ان کو معاف کرے اور یہ موقع ہے اور رمضان کے تین چار دن جو باقی ہیں۔ یہ ایک موقع ہے کہ سب محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ مزید محنت اور عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ رسول کریم صلعم کی حدیث مبارکہ پر میں آج کا خطبہ ختم کروں گا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں اگر لیلتہ القدر پاجاؤں تو میں کیا دعا مانگوں تو رسول کریم صلعم نے آپ کو ایک نہایت ہی اچھی دعا سکھائی اور اس طرح ہم کو بھی سکھائی:

اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے
تو معاف کرنا پسند کرتا ہے
تو مجھے معاف فرما۔ آمین

یہ ضروری نہیں کہ کوئی لیلتہ القدر پائے اور کہے کہ مجھے لیلتہ القدر کی نشانیاں مل گئی ہیں اور پھر وہ بیٹھ کر یہ دعا کرلے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کثرت سے معافی مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی مانگنے کو اور کثرت سے معافی مانگنے کو پسند کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ معاف فرماتا ہے اور اپنا وقت جو ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں میں رمضان ہو یا نہ ہو ضائع کرتے ہیں۔ اس کو ہم بہتر استعمال کرسکتے ہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ معافی مانگیں اور اس حوالہ سے بھی کہ تو درگزر کرنے والا ہے بار بار کہیں، کسی بھی زبان میں کہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دل کی گہرائیوں سے انسان کا پشیمان ہونا، دل کی گہرائیوں سے اس کا توبہ کرنا اور دل کی گہرائیوں سے یہ فیصلہ کرلینا کہ یہ گناہ میں دوبارہ نہیں کروں گا اور پھر اس پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ استقامت کی راہ کی ہم روزانہ دعا مانگتے ہیں۔ اس میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں۔ اس راستے کو پانے کے لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف روزوں میں ہی نہیں بلکہ تمام زندگی کوشاں رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک علمی اور ادبی مقالہ

ترجمان القرآن (یعنی قرآن حکیم کے مطالب اُردو زبان میں)

(سورۃ نور سے سورۃ الناس تک) جلد سوم از مولانا ابوالکلام آزاد

(مرتبہ شیخ التفسیر مولانا محمد عبدہٗ) شائع کردہ اسلامی اکیڈمی اُردو بازار، لاہور

(اُردو و انگریزی قرآن مجید کی چیدہ چیدہ تفاسیر کا مختصر جائزہ اور ان کی خصوصیات)

مقدمہ از محمد حنیف ندوی

''محمد اسد نے انگریزی زبان میں قرآن کے مبیّن میں اس کے پیغام کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور اس میں ان تمام شکوک وشبہات کو دور کیا ہے۔ جو مغربی ذہن میں قرآن فہمی کے سلسلے میں ابھرتے اور کھٹکتے ہیں۔ان کی یہ کوشش اس لحاظ سے خصوصیت سے تحسین کے لائق ہے کہ اس نے ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمۃ القرآن سے یکسر بے نیاز کردیا ہے۔''

نوٹ از مدیر

محمد ندوی صاحب کا محمد اسد صاحب کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کو سراہتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ وتفسیر کے متعلق ایک سطر کافی معنی خیز ہے: ''اس نے ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمۃ القرآن سے یکسر بے نیاز کردیا ہے۔'' اس ایک سطر میں انہوں نے مولانا محمد علی صاحب کے ترجمہ کے متعلق بلا واسطہ ''نیاز مندی'' کا اظہار کردیا ہے جو کسی تعریف سے کم نہیں ہے۔جزاک اللہ۔

ہم یہ بھی یاد کراتے چلیں کہ محمد اسد صاحب کے ترجمہ کے پہلے 9 سورتیں بلا متن رابطہ عالم اسلامی مکہ سے 1964ء میں شائع ہوئی تھیں۔ لیکن وفات مسیح ناسخ منسوخ ، یاجوج ماجوج اور دیگر کئی مسائل پر ان کے خیالات کی وجہ سے ترجمہ کی مزید طباعت روک دی گئی۔لیکن نہایت جرات مندی سے ان خیالات کی صحت پر قائم رہے اور پھر اپنے وسائل سے 16 سال بعد مکمل ترجمہ وتفسیر مع متن، اس کو دارالاندوسیہ لمیڈ ڈ سے 1980ء میں شائع کروانے کے قابل ہوئے۔

ذیل میں ہم مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا محمد علی صاحب جوہر کے اس ترجمہ کے بارے میں تبصرے درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ان سے ہمارے قاری کو ندوی صاحب کی اس نیاز مندی کی وجہ سمجھ آجائے گی جس سے ''بے نیازی'' پر وہ محمد اسد صاحب کے شکر گزار ہیں۔بہر حال ندوی صاحب کا مقدمہ قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کے بارے انتہائی ادبی چاشنی لئے ہوئے اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر جو قابل تحسین ہے سیر حاصل احاطہ ہے۔

''۔۔۔۔۔مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کرکے اسلام کی جو متہم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف کرنا سورج کی

روشنی سے انکار کرنا ہے۔اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔ میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔'' (اخبار سچ ۲۵ جون ۱۹۴۲ء)

ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا

''مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعے جو خدمات اسلام کی انجام دیں وہ اپنی جگہ پر بے مثل و بے مثال ہیں۔ انگریزی خوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اُردو خوانوں کے حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے اور یورپ وامریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھائی۔۔۔۔ اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمتِ دین ہی کی نذر کر رکھا تھا۔''

(مصدق لکھنو ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء)

مولانا محمد علی صاحب جوہر

''قریباً یہی وہ وقت تھا جبکہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا۔۔۔ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود ونصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ یہ میرے فاضل ہم نام مولانا محمد علی صاحب لاہور کا کارنامہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں۔

۔۔۔ یہ ترجمہ اور ان کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل، راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اس ذہنی کیفیت میں جس میں میں اس وقت مبتلا تھا۔ میں نے اس دوست کو جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے یہ لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کن نہیں ہوسکتی کہ جونہی میں ان قیود سے جو نظر بندی کی حالت میں مجھ پر عائد ہیں، آزاد ہو جاؤں یورپ چلا جاؤں اور ان لوگوں کے جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں، ہر ایک پارک سے اور ہر ایک بازار سے اس پاک مذہب کی تلقین کروں جو ان جنگ کرنے والی قوموں کے شور وغل کو اسلام کے متحد کرنے والے امن وامان میں خاموش کرواسکتا ہے۔'' (خودنوشت حیات محمد علی جوہر) 11 مارچ 1982ء (ص ص 7 تا 13)

تفسیر کیا ہے اور معانی ومطالب کے کن کن خزانوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہے؟ اس کی تحدید وتعیین مشکل ہے۔ ابوالخیر، ابن صدرالدین اور تفتازانی نے ہر چند تفسیر کے دائرے کو تعریف وحد کی تنگنائے میں محصور کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن بقول علامہ فناری کے فن تفسیر کی کوئی ایسی جامع ومانع تعریف بیان نہیں کی جاسکتی، جو اس کے تمام گوشوں اور لوازم کا احاطہ کرے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کلام تنزیل وحی کا ایسا شاہکار ہے جو اتنا متمول (Rich) اور بوقلموں مضامین کا حامل ہے کہ کوئی بھی انسان اس کی گیرائی وگہرائی کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ معانی ومطالب کا ایسا بحر بے پایاں ہے کہ چودہ صدیاں ہوتی ہیں اور ہر چند مفسرین نے ہر ہر دور میں اس سے اخذ فیض کیا ہے، اس سے استخراج واستنباط کے وہ وہ لآلی اور موتی چنے ہیں کہ عقل ودانش حیران وششدر ہے۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ سمندر پایاب نہیں ہوا، اور اس سے استفادہ استفاضہ کا عمل برابر جاری ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر موج اور لہر کی تہہ میں معنی ومطلوب

ایسے نئے اور نادر آفاق لیے ہوئے ہے، جن تک ابھی نوع انسانی کی رسائی نہیں ہو پائی۔ قرآن حکیم اللہ کا پیغام آخرین ہے۔ اس بنا پر یہ نئی نئی منزلوں کی مسلسل نشاندہی کرتا رہے گا اور فکر ونظر کے سامنے ان اچھوتے مناظر کو لا محالہ لاتا رہے گا۔ جو عقل وخرد کو تازہ تابانیوں سے آشنا کرتے رہیں۔

اس کتاب حکم ومعارف کے تمام جلوے ہنوز پردۂ خفا میں ہیں جنہیں اپنے اپنے وقت پر ضوفشاں ہونا اور نکھرنا ہے۔ گویا اس جوئے رواں سے ابھی بہت کچھ اچھلنا ہے اور اس تاک سکر آفریں سے بے شمار ایسے جرعوں کو کام و دہن کی لذت کا سامان فراہم کرنا ہے، جو فی الحال ناخوردہ ہیں۔

دوسرے لفظوں میں تفسیر کسی ایک کتاب کا نام نہیں بلکہ ایک عمل، ایک تسلسل اور فکر وتدبر کے ایسے تواتر سے تعبیر ہے، جسے تا بہ قیام قیامت جاری رہنا ہے اور ہر دور میں اپنے علمی تقاضوں کے مطابق نوعِ انسانی کے ذخیرۂ علمی میں اضافہ کرتے رہنا ہے۔ دوسری وجہ جو اس کی تعریف وحد بیان کرنے کی راہ میں دراصل مانع وحائل ہے، وہ انسانی ذوق کا تنوع واختلاف ہے۔

نحویوں نے قرآن حکیم میں اعراب کے نکتوں کی نشاندہی کی اور ان مختلف وجوہ وفروع پر روشنی ڈالی، جن کا تعلق اس فن سے ہے جیسے زجاج، واحدی اور ابوحیان اور ابوالبقا عبداللہ ابن الحسین العکبر ی۔ اخباریین نے قصص اور اسرائیلیات سے تعرض کیا جیسے اسدی اور ثعلبی وغیرہ۔ فقہ سے ذوق رکھنے والوں نے قرآن حکیم میں مذکور اولہ فقیہ کے استیفا کی کوشش کی اور ان میں راجح اور مرجوح کا فرق نمایاں کیا، جیسے قرطبی اور جصاص۔

آشنایانِ ادب ولسان نے آیات قرآنی میں روکنے والی طرفہ طرازیوں کی طرف اشارہ کیا جیسے زمخشر ی۔

اور رازی نے اپنے دور کے فلسفیانہ افکار کی تائید کے لئے قرآن حکیم سے دلائل ڈھونڈنے کی کوشش کی اور ایسی دُور کی کوڑی لائے کہ بقول ابوحیان کے ان کا قرآن کی تفسیر سے براہ راست کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ رازی نے تفسیر کبیر میں ان تمام افکار ورجحانات کو بیان کردیا ہے جو ان کے عصر تک نہ صرف علمی مجالس کی زینت تھے، بلکہ جن پر بحث وتمحیص سے کام لینا اس دور کی ثقافت کا لازمی تقاضا تھا۔ اس کے علاوہ ذوق واحاطہء ادراک کی بوقلمونی نے اور متعدد علوم ومعارف کو تفسیر کے دائرے میں لا ڈالا، مثلاً قرأت وتجوید، مسائل واحکام قرآنی، توجیہ آیات مختلفہ، امثال، اقسام القرآن، محکمات ومتشابہات، ناسخ ومنسوخ، غرائب قرآن، علوم قرآن، اسباب نزول وغیرہ۔

لطف یہ کہ یہ تمام علوم ولوازم جن کے بل پر مختلف ادوار میں قرآن فہمی کا سلسلہ آگے بڑھا، اب بھی قرآن کی بدولت محفوظ، زندہ اور کتب وصحائف کی پیشانی پر تابندہ ہیں۔

تاریخی سطح پر تفسیر کو کئی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور صحابہ کے اس مقدس گروہ کا ہے جنہوں نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمہ فیض سے استفادہ کیا، جنہوں نے ایسے مثالی معاشرے میں زندگی بسر کی، جس میں قرآن کی تعلیمات لوگوں کے رگ وپے میں رچی بسی تھیں اور اس کی برکات اور تابش ضو سے زندگی کا ہر ہر گوشہ منور تھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال رشد وہدایت کو دیکھا تھا، ان کے لب مبارک سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو آویزہ گوش بنایا تھا اور اس چیز کا اہتمام کیا تھا کہ سحابِ وحی وتنزیل سے ٹپکا ہوا ہر کلمہ کشتِ دل کی بالیدگی ونمو کا باعث ہو۔ یہ وہ پاک نہاد اور لائق صد احترام گروہ تھا جس کو قرآن نے سند رضا بخشی اور تمام دنیائے انسانیت کے لئے مجسمہ رحمت گردانا۔

صحابہ میں جن لوگوں نے قرآن حکیم کی تفسیر وتعبیر کے سلسلے کو آگے بڑھایا، ان میں خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، ابو ہریرہ اور جابر رضی اللہ عنھم سرفہرست ہیں۔ ان کے بعد تابعین کا دور آتا ہے، اس میں جن حضرات نے

تفسیر میں شہرت حاصل کی ان میں مجاہد ابن حبر المکی، (المتوفی ۱۰۳)، سعید بن جبیر (المتوفی ۹۴)، عکرمہ (المتوفی ۱۰۵)، طاؤس بن کیسان الیمانی (المتوفی ۱۰۶) اور عطا ابن ابی رباح (المتوفی ۱۱۴) شامل ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں تفسیر و تاویل کی مسندیں سجائیں۔ مدینے اور کوفے میں جن لوگوں نے پیغام الٰہی کی تبیین وتشریح کے حلقے قائم کیے، ان کی فہرست اس پر مستزاد ہے۔

اس کے بعد کے دور میں ایسے حضرات آتے ہیں جنہوں نے اپنی تفاسیر میں صحابہ وتابعین کے ملے جلے اقوال کی روایت کی، جیسے سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحجاج، اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔

اور پھر اس دور کا آغاز ہوا جس نے تفسیر کو ایک باقاعدہ فن کی حیثیت بخشی اور اس کے نتیجے میں دو مستقل مدرسہ ہائے فکر قائم ہوگئے یعنی تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے۔ تفسیر بالماثور کا دائرہ اگرچہ صرف منقولاتِ صحابہ و تابعین ہی تک سمٹا رہا، تاہم تفہیم وتبیین کے نقطہ نظر سے ان تفاسیر کی اہمیت و افادیت بحرحال مسلمہ ہے۔ ان میں لغت، ادب، مواقعِ نزول اور تطبیق آیات کے ضمن میں مذکورہ نکات بہت عمدہ اور نادر ہیں۔ ان کے مطالعے سے خصوصیت سے یہ حقیقت ابھر کر فکر ونظر کے سامنے آجاتی ہے کہ کسی معنی کے تعیین کے لئے صحابہ اور تابعین نے جو رائے قائم کی ہے وہ اصمعی وکسائی اور بعد کے آنے والے اہل لغت سے کہیں زیادہ مستند اور صحیح ہے۔ ان تفاسیر میں اسرائیلیات کی بھر مار البتہ نگاہوں میں کھٹکتی ہے لیکن اس کو شاید اس دور کی مجبوری قرار دیا جائے گا۔

تفسیر بالرائے کے دائرے نسبتاً بہت زیادہ پھیلے ہوئے اور متنوع ہیں۔ ان میں لغت کے نوادر، ادب کی اعجوبہ طرازیاں اور روایت وعقل کی نادرہ کاریوں کے علاوہ ہر شخص کے اپنے ڈھب اور ذوق کی کارفرمائی بھی صاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم کا دامن معانی بہت پھیلا ہوا اور وسیع و جامع ہے اور اس میں قطعی اس بات کی گنجائش پائی جاتی ہے کہ مفسرین حضرات ہر دور کے مذاق ہی کے مطابق اس سے کسبِ فیض کریں۔ لیکن ہر فن کے لئے کچھ شرائط وحدود کا ہونا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کی تشریح و تفہیم کے لئے چند باتیں بہت ضروری ہیں۔ ذوق ادب کی اصابت، فہم قرآن کا خاص ملکہ، روحِ قرآن کا عرفان، سلف کی تصریحات وتشریحات سے آشنائی، دلالتِ الفاظ کا صحیح علم اور سیاق وسباق کے معنوی تقاضوں کا ادراک اور سب سے آخر میں، لیکن سب سے اہم، یہ کہ قرآن سے حد درجہ کی محبت وشیفتگی۔ ایک مغربی دانش ور اور صوفی کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ قرآن جمال معنوی سے آراستہ و پیراستہ وہ عروس ہے جو غیر محرم کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھولتی۔

جن حضرات نے فن تفسیر کی ان نزاکتوں کا خیال رکھا، انہوں نے بلاشبہ اپنی تفاسیر میں علوم و معارف کے دریا بہائے۔ لیکن جنہوں نے ان اصولوں سے انحراف کیا، وہ خود بھی منحرف ہوئے اور قارئین کو بھی گمراہی کی جانب دھکیلا۔

تفسیر بالرائے کے سلسلے میں پچھلی صدیوں میں دو بہت بڑے فتنے ابھرے۔ ایک تعلیمیہ کا اور دوسرے برخود غلط تصوف کا۔ تعلیمیہ سے مراد وہ فلسفہ زدہ اور الحاد گزیدہ گروہ ہے جس نے قرآن حکیم اور اس کے پیغام رشد و ہدایت کو اپنے عقاید فاسدہ اور مزعومات باطلہ کی خاطر بالکل مسخ کرڈالا اور لغت، اصطلاح، سیاق وسباق اور اسلامی روایاتِ صریحہ سے قطع نظر کرکے قرآنی الفاظ اور مفہوم کو قطعی بدل ڈالا۔ تفسیر وتعبیر کا یہ انداز چونکہ اسلام کے ذوق دعوت وارشاد اور اس کی تاریخ وعقاید کے چوکھٹے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، اس لئے جلد ہی مٹ گیا۔

ان لوگوں کا اصل موضوع چونکہ فلسفہ تھا، اس کے موضوع پر انہوں نے ''اخوان الصفا'' ایسی کتابیں ضرور ترتیب دیں، جن سے ان افکار میں خاصہ

نکھار آیا لیکن دین کی تشریح ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

برخود غلط تصوف نے علوم باطنہ کے نام سے قرآن حکیم کے ظواہر احکام کو نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ قرآن سے ایسے نئے نئے اور ملحدانہ معانی اور مفاہیم کو مستنبط کرنے کی کوشش کی جو قرآن کی روح جہاد و عمل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن حکیم صرف فقہ و قانون اور ضابطہ و حکم اور لفظ و سیاق کو نحو و لغت کی مدد سے سمجھنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ اس کی ایک روح، اس کا ایک باطن اور اس کا ایک فلسفہ حیات بھی ہے، جو درحقیقت مقصود ہے لیکن یہ ظواہر احکام سے کسی طرح الگ تھلگ نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک صوفیا کا وہ گروہ بہر حال قابل قدر ہے جس نے اس روح اور باطن تک رسائی حاصل کر کے ان معارف کی نشاندہی کی جن پر ایک عام عالم کی نظریں نہیں پڑتیں۔ اور ان معارف کو اپنے عمل و کردار میں سمو کر مکارمِ اخلاق کی بلند تر چوٹیوں کو سر کیا۔ لیکن یہ اسی وقت ہوسکا جب ان کو معارف کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچا گیا اور دیکھا گیا کہ ظاہر و باطن میں فرق صرف اصطلاح کا ہے، ورنہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے مئوید اور شارح ہیں یا ایک ہی سوتے کے دو دھارے ہیں جو الگ الگ بہنے کے باوجود ایک ہی سمت اور منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ لیکن جب ان معارف باطنہ کو کتاب اللہ اور سنت کی شاہ راہ سے ہٹ کر پیش کیا گیا تو وہ نہ صرف معارف نہ رہے بلکہ کھلا ہوا الحاد قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ امام واحدی نے جب سلمی کی ''حقائق التفسیر'' دیکھی تو پکار اُٹھے، جو شخص اس کو تفسیر سمجھتا ہے، وہ کفر کا مرتکب ہوا۔

تصوف کا اصل ہدف احوالِ قلب کا مشاہدہ، دقائق اخلاق کی رعایت اور واردات و کشوف کی حقیقت کو پہنچانا ہے۔ اور اس باب میں ان کی مساعی ایسی گراں قدر ہیں کہ ان سے انسانی نفسیات کی بلند تر سطح کو جاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ تفسیر اور علوم وفنون سے کماحقہ، آشنائی صوفیا کے دائرہ تحقیق و تفحص سے بالکل خارج ہے۔ ان کی اصل منزل مکارمِ اخلاق ہے اور اسی نظر سے ان کو دیکھنا چاہیے۔ ان کی یہی اخلاقی بلندیاں اور مکارم اخلاق کے اثر آفریں نمونے تھے جن کو دیکھ کر لاکھوں انسان حلقہ بدوش اسلام ہوئے اور بت پرستی کی خانہ ویرانیوں سے دامن چھڑا کر اس لائق ہوئے کہ توحید الٰہی کے انوار و تجلیات سے دل کی بستیاں سجائیں۔

اس دور میں جن حضرات نے قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کی گراں قدر خدمات انجام دیں، ان میں علامہ رشید رضا، طنطاوی، مولانا حمید الدین الفراہی، محمد اسد، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ابو الکلام آزاد کا نام نامی سرفہرست ہے۔

مولانا حمید الدین الفراہی مرحوم نے ادبِ جاہلی کے اشعار و شواہد اور صحائف انبیاء کی تصریحات کی روشنی میں قرآن حکیم کے مطالب و معانی پر غور وفکر کی طرح ڈالی اور ایسے ایسے غوامض اور مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالا جو بادی النظر میں فہم و ادراک کی راہ میں سنگ گراں معلوم ہوتے تھے۔ قرآن کی آیات اور سور میں باہمی رشتہ و تعلق کی نوعیتوں کو دریافت کرنا اور پورے قرآن کو مضامین و معانی کے اعتبار سے ایک خاص ترتیب میں منسلک ثابت کرنا ان کا سب سے بڑا تفسیری کارنامہ ہے۔ مزید برآں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن فہمی کو اپنی پوری زندگی کا نصب العین ٹھہرایا اور اس راہ کی دشواریوں پر قابو پایا۔

محمد اسد نے انگریزی زبان میں ''میسیج آف دی قرآن'' میں قرآن مجید کے پیغام کو اچھی طرح واضح کیا ہے اور اس میں ان تمام شکوک وشبہات کو دور کیا ہے۔ جو مغربی ذہن میں قرآن فہمی کے سلسلے میں ابھرتے اور کھٹکتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش اس لحاظ سے خصوصیت سے تحسین کے لائق ہے کہ اس نے ہمیں مولانا محمد علی لاہوری کے ترجمۃ القرآن سے یکسر بے نیاز کردیا ہے۔

مولانا مودودی کی تفہیم القرآن نے اسلامی حلقوں میں خاصی پذیرائی

حاصل کی ہے۔اس کا مخاطب دراصل وہ طبقہ ہے جو مغرب گزیدہ ہے یا جو براہ راست عربی تفاسیر کے جوہر پاروں سے استفادے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔مولانا نے نہایت ہلکے پھلکے اور سمجھ میں آنے والے انداز میں قرآن حکیم کے مطالب کو نکھارا اور اجالا ہے۔اس تفسیر کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس سے قرآن کا یہ پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ کتاب ہدیٰ ایک مربوط، نظام دعوت وارشاد کی حامل ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی منجھے ہوئے ادیب اور مشرق و مغرب کا بہترین سنگھم ہیں۔یہ جہاں کفر وانکار کی وادیوں میں بھٹکتے ہیں، وہاں انہوں نے دبستانِ ایمان کی شمیم آرائیوں سے بھی مشام جاں معطر کیا ہے۔اس لئے خوب جانتے ہیں کہ شک وارتیاب کے کانٹے کہاں کہاں دلوں میں چبھتے اور کن کن تصورات کو زخمی کرتے ہیں۔ان کی تفسیر انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں اس بات کی خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ ان تمام مقامات کی تشریح کی جائے جہاں ایمان وعقیدے کا پاؤں پھسلتا اور لچکا کھاتا ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کی دو ضخیم جلدیں اہل علم اور اصحاب فکر سے مدت ہوئی داد حاصل کر چکی ہیں۔ان کے اسلوب فہم و ادراک کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کے بارے میں اس تجزیے پر غور کر لیا جائے کہ گو وہ اس دور میں پلے بڑھے اور آفتاب علم بن کر چمکے، لیکن ان کے قلم پر صدیوں کی علمی وتہذیبی روایات مچل رہی ہیں۔ان کا علمی رابطہ جہاں اسلاف کی عظیم شخصیتوں سے استوار ہے وہاں دور حاضر کے رجحانات، علوم اور تحریکوں سے بھی ان کی شناسائی مسلم ہے۔ان کے مطالعے وتحقیق کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ قرآن وحدیث، فقہ، کلام، تاریخ، ادب اور فلسفے کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اِن کی نظروں سے اوجھل ہو۔یہ جب بھی کسی فن یا موضوع پر بات کرتے ہیں تو ایسی جچی تلی اور مجتہدانہ کہ اس پر کسی بھی اضافے کا امکان باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے دو نعمتوں سے انہیں خصوصیت سے نواز رکھا ہے ذہنی جلا (Clarity of thought) اور اسلوب وزبان کی سحر آفرینی۔یہ دونوں جوہر ان کی تحریر وتقریر میں صاف جھلکتے اور دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار وخیالات میں کہیں جھول، تضاد اور اہمال پایا نہیں جاتا۔جو بات ہے واضح اور جو رائے ہے دوٹوک اور حکیمانہ۔ان کی یہی ادا دلوں کو لبھاتا اور نظروں کو تابش وضو عطا کرتا ہے۔

ترجمان القرآن کی یہ تیسری جلد، جو قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اگر چہ براہ راست مولانا کی تصنیف نہیں کہلائے گی مگر ان معنوں میں مولانا کے افکار کی آئینہ دار ہے کہ (محترم مولانا منصور احمد صاحب) ناشر نے بہ کمال محنت و کاوش، الہلال، البلاغ اور ترجمان القرآن میں جابہ جا بکھرے ہوئے ان تمام موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے جن کا تعلق تفسیری فوائد سے تھا اور جہاں مولانا کی کوئی تحریر نہیں ملی، وہاں مولانا محمد عبدہ، نے تسلسل کو قائم رکھنے کی خاطر توضیحی نوٹ لکھ کر کتاب کی افادیت کو بڑھا دیا ہے۔یعنی اگر بارش کی ارزانیوں سے کشتِ فکر شگفتہ وشاداب نہیں ہوتی تو پھوار کیا کم ہے۔

فان لم یصبھا وابل فطل

محمد حنیف ندوی

۱۴ مارچ ۱۹۸۲ء

☆☆☆☆

فلاح کے لئے ہر ایک فرد کو اپنے محاسبہ کی ضرورت ہے

انوار احمد صاحب

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور اس کے لئے جو حق سے اترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر لمبا زمانہ گزر گیا ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔ جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا ہم نے تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔'' (سورۃ الحدید)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ یہ ہماری تمام زندگی کے لئے جہاں سے بھی دیکھ لیں رہنمائی کا موجب ہے۔ ہمارا یہ سالانہ دعائیہ خاص خصوصیات رکھتا ہے اور ہمیں یہ موقع دیتا ہے کہ ہم اپنا بھی محاسبہ کریں۔ ہم ایسے حالات میں سے گزر رہے ہیں جنہیں ایک زلزلہ سے تشبیع دی جاتی ہے بلکہ گزشتہ سالوں میں بعض دل جھنجھوڑنے والے واقعات اور حادثات دنیا پر اور ہمارے وطن اور خصوصیت سے ہم پر جو گزرے ہیں، قرآن کریم کی جو دو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ہم اس بات کے دعویٰ دار ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کو اور اس کی تعلیمات کو زمین کے کناروں تک پہنچانا ہے اور ہمیں خصوصیت سے ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیے۔

آیت قرآنی ہمیں جھنجھوڑ کر پوچھتی ہے کہ ایمان لانے والوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دلوں میں عاجزی پیدا ہو جائے اور پھر تنبیہہ فرماتی ہے کہ وہ پہلی قوموں کی طرح نہ ہوں جو حالات زمانہ سے متاثر ہوں اور ان کے دل سخت ہو جائیں۔

اس وقت عموماً تمام دنیا میں مسلمانوں کی عملی حالت کا رونا ہر زبان کے اوپر ہے۔ ہمیں خواہ وہ غیر مسلم کہیں یا سمجھیں لیکن ہم تو ہر کلمہ گو کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں اور ان کے لئے ہمارے قلوب غم اور اندیشہ سے فارغ نہیں ہو سکتے۔

میں اپنے مخاطبین میں سے جن میں سے سب سے پہلا مخاطب میں خود ہوں کہ کیا ہم اس معیار پر پورا اتر رہے ہیں جو امام الزمان نے قائم کیا۔ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود، مہدی موعود، مجدد زمانہ نے اپنی بعثت کی جو بڑی غرض بیان فرمائی وہ ایک اعلیٰ درجہ کی جماعت پیدا کرنا تھی جس کا طریق اور چلن اتباع محمدیؐ ہو اور وہ آنحضرت صلعم کی پیروی کو اپنے لئے فخر سمجھیں، قرآن ان کی ہدایت کا ذریعہ ہو اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہوں۔

آنحضرت صلعم کی سیرت ان کے لئے مشعل راہ ہو، حضرت مسیح موعود نے اپنی تعلیم میں جابجا اسی چیز کا پرچار کیا۔ آپؑ نے پوری زندگی آنحضرت صلعم کی سیرت پر عمل کر کے دکھایا اور اپنی جماعت کو بھی اسی نہج پر چلنے کی تلقین کی۔ اس راہ میں آپ کو خود بھی مشکلات برداشت کرنا پڑیں اور آپ کی جماعت کے مخلصین کو بھی لیکن آپ نے اپنی جماعت کو اس پر صبر اور اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھانے کی طرف راہنمائی کی۔ اور جو تعلیم اس بارہ میں انہوں نے اپنی جماعت کو دی اس کے چند اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ آپ میں فرماتے ہیں:

''اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے، آج تم تھوڑے اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ابتلاء کا وقت تم پر ہے، اسی سنت اللہ کے

حضرت امیر قوم کی ہالینڈ میں مصروفیات 2017ء
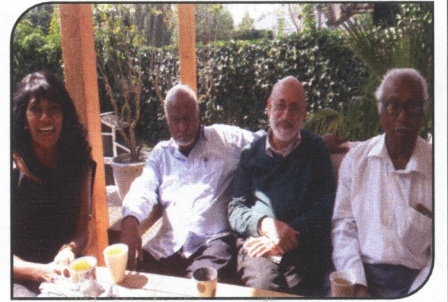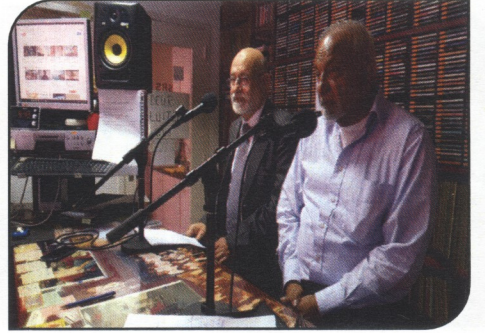
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کی سرگرمیاں اور اس کے زیر اہتمام فری میڈیکل کیمپ کے چند مناظر
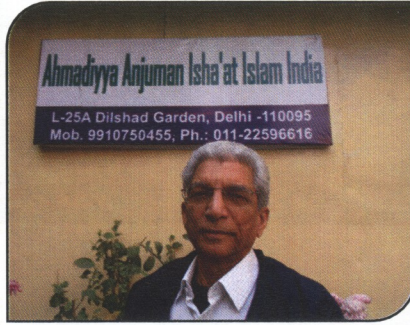
حضرت امیر قوم و جنزل سیکرٹری کے جماعت انڈونیشیا کے دورہ 2017ء کی تفصیلات
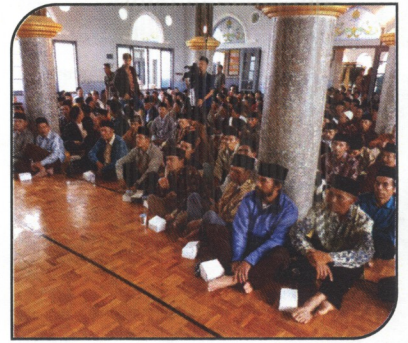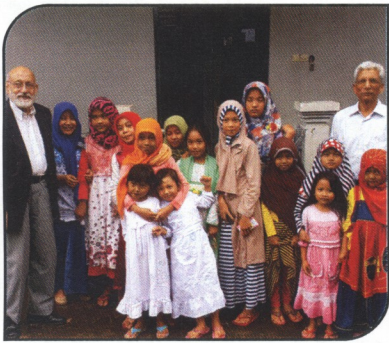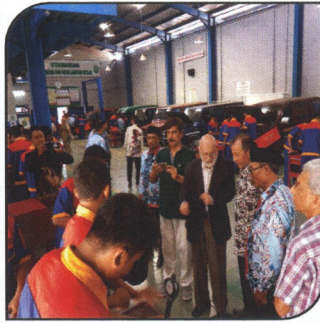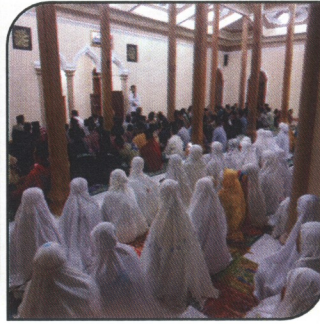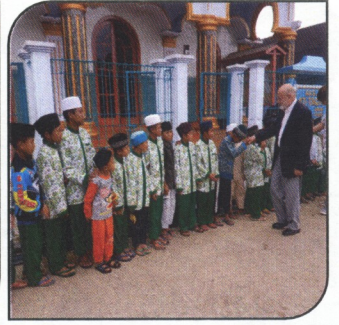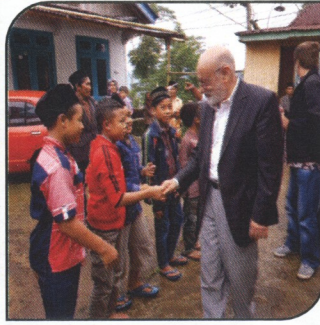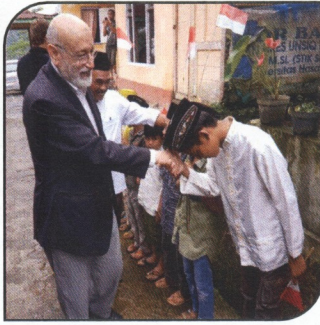
حضرت امیر قوم کا جماعت سرینام کا دورہ 2017ء
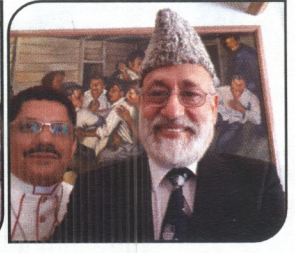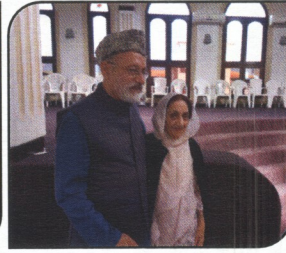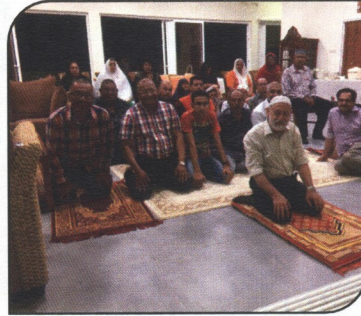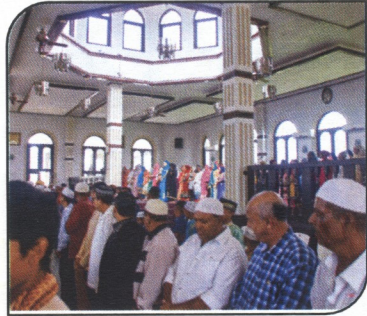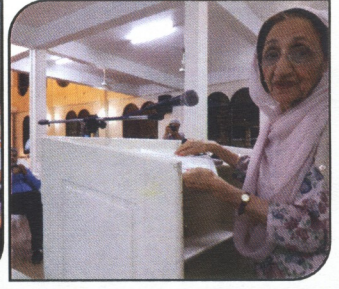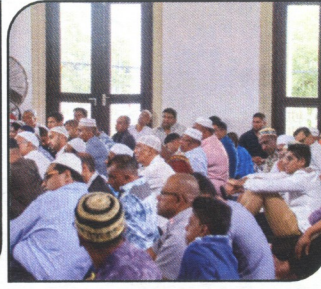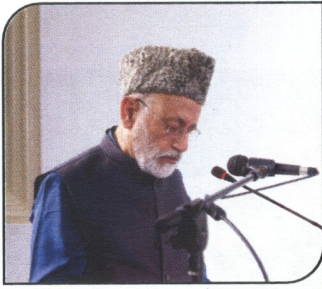
حضرت امیر قوم جماعت ٹرینیڈاڈ کے ساتھ 2017ء

برلن مسجد کی سرگرمیاں
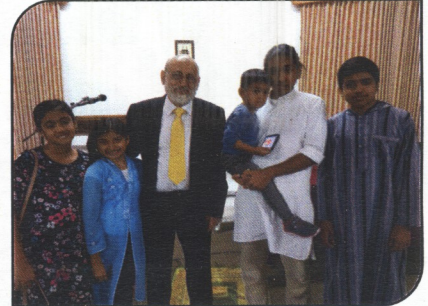
پہلا سالانہ یورپین جلسہ 2017ء اوراوپن ڈے کے چند مناظر
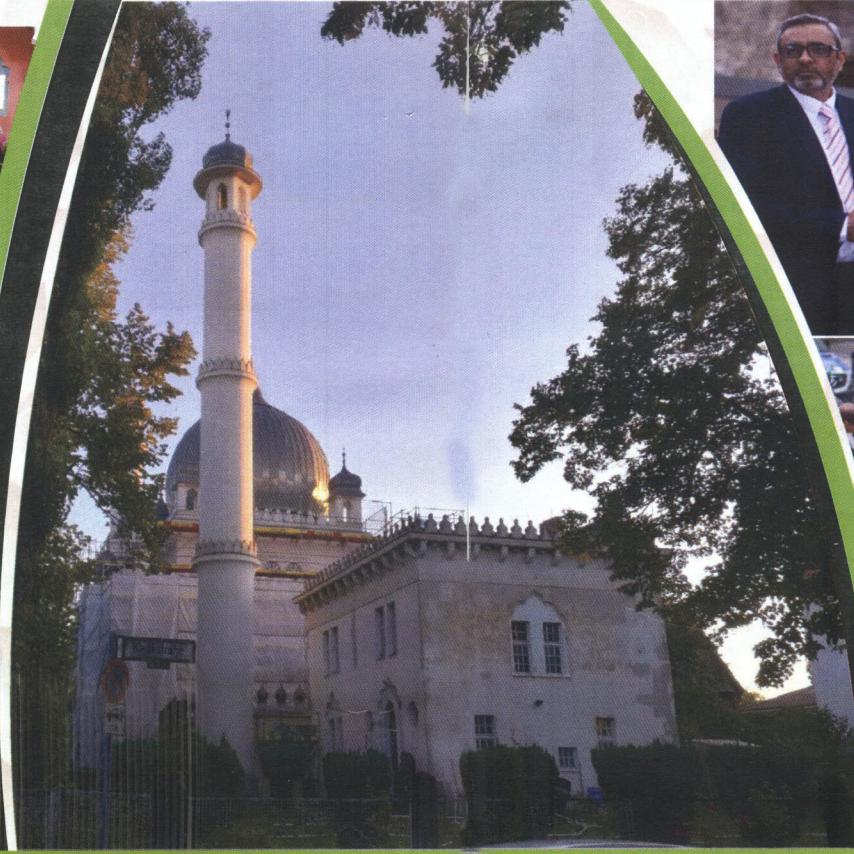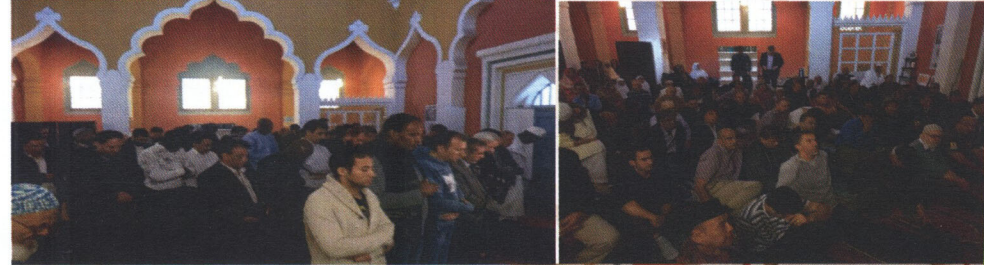
حضرت امیرقوم کے دورہ انگلستان 2017ء کے دنوں کی مصروفیات
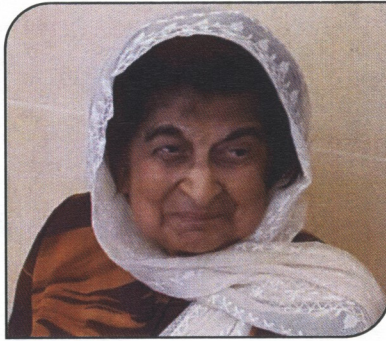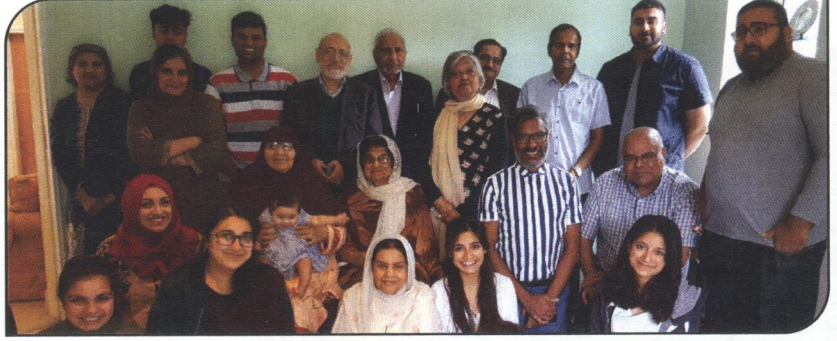
جماعت کی تربیت کے لیے منعقدہ ورکشاپس 2017ء
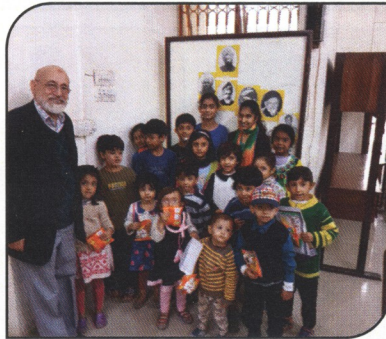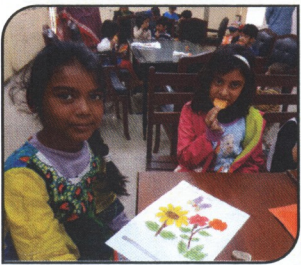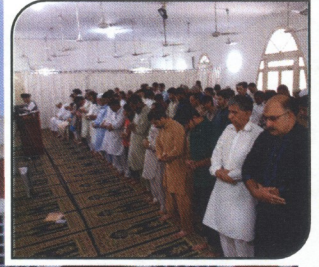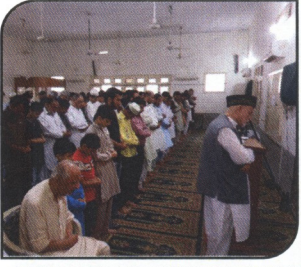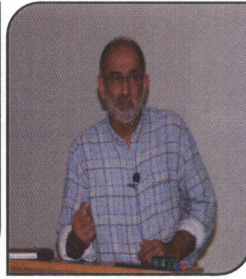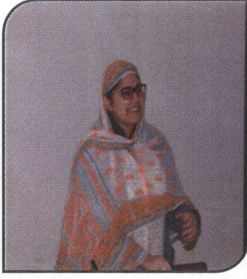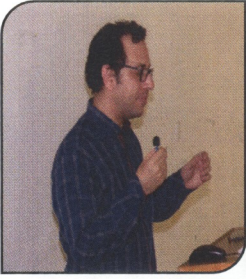
حضرت امیر قوم کی برلن مسجد فنڈ کے لیے اندرونِ ملک اپیل کی تصویری جھلکیاں

تربیتی کورس 2017ء کے چند مناظر

مواقف جو کہ قدیم سے جاری ہے ہر ایک کی طرف سے یہ کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گے اور ہر یک جو زبان یا ہاتھ سے دکھ دے وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتح منداور غالب ہو جانے کی راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو۔ تمسخر کے مقابلے پر تمسخر کی باتیں کرو، گالی کے مقابلے پر گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا مت کرو کہ اپنے اوپر دو لعنتیں جمع کرو، ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی۔''

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں:

''یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا تم خدا کے ہاتھ کا ہی بیج ہو جو زمین میں بویا گیا، خدا فرماتا ہے یہ بیج بڑھے گا، پھولے گا اور ہر طرف اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا پس مبارک جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے فرعون سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت پر صادق اور کون کاذب ہے اور جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کلام سے پیش آئے گی آخر وہ فتح یاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے۔''

یہ کچھ نصیحتیں ہیں، کچھ کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو، حق کو قبول کر لو اگر ایک بچہ سے اور ایک مخالف کی طرف سے حق پاؤ تو پھر اور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو، سچ پر ڈٹ جاؤ اور سچی گواہی دو، سوائے لوگو جو اپنی تئیں میری جماعت میں شمار کرتے ہو آسمان پر صرف تب میری جماعت شمار کیے جاؤ گے جب تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو، سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورا کرو اور ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں تو وہ حج کرے، نیکی کو سنوار کر ادا کرو اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کر دو۔ یقیناً یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقویٰ سے خالی ہو، ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے جس عمل میں جڑ ظاہر نہیں ہوگی وہ عمل بھی ظاہر نہیں ہوگا ضرور ہے کہ دعا اور رنج کی مصیبت تمہارے امتحان بھی لے جیسے کہ پہلے مومنین کے امتحان ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم ٹھوکر کھاؤ، زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی اگر آسمان سے پختہ تعلق نہ ہو جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔ اگر تمہاری زمینی عزت ساری جاتی رہے تو خدا تمہیں لازوال عزت آسمان پر دے گا سو تم اس کو مت چھوڑو اور ضرور ہے کہ تم دکھ دیئے جاؤ اور اپنی کئی امیدوں سے بے نصیب کیے جاؤ، سو ان صورتوں میں تم ناامید مت ہو کیونکہ تمہارا خدا تمہیں آزماتا ہے کہ تم اس کی راہ میں ثابت قدم ہو کہ نہیں، اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ خوش رہو، گالیاں سنو اور دعا دو، ناکامیاں دیکھو اور پیوند نہ توڑو، تم خدا کی آخری جماعت ہو سو وہ نیک عمل دکھلاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ رکھتے ہوں۔''

''تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ سے دو بھائی، تم میں زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنی بھائی کے گناہ بخشتا ہے، اور بدبخت ہے جو ضد کرتا ہے اور انہیں نہیں بخشتا سو اس کا

مجھ میں سے حصہ نہیں۔''

میں سچ کہتا ہوں کہ بدظنی بہت ہی بری بلا ہے جو انسان کے ایمان کو تباہ کر دیتی ہے اور صدق اور راستی سے دور پھینک دیتی ہے اور دوستوں کو دشمن بنا دیتی ہے، صدیقوں کے کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان بد ظنی سے بہت ہی بچے اور اگر کسی کی نسبت کوئی سوئے ظن پیدا ہو تو کثرت کے ساتھ استغفار کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرے تا کہ اس کی آفت اور برے نتیجہ سے بچ جائے جو کہ اس بدظنی کے پیچھے آنے والا ہے اس کو کبھی معمولی چیز نہیں سمجھنا چاہیے یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جس سے انسان بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔اور چاہیے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کے پاک کرنے کے لئے اپنے روح القدس سے حصہ لو بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ دو اور وہ راہ اختیار کرو جس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو، دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے ترقی کی زندگی اختیار کر وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے، اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کے قریب ہے۔تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آ جاؤ وہ ہر ایک راہ میں تمہاری مدد کرے گا کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

کشتی نوح میں فرماتے ہیں:

''تم سیدھے ہو جاؤ اور صاف ہو جاؤ اور پاک ہو جاؤ اور کھرے ہو جاؤ اور ایک ذرہ تیرگی تم میں باقی نہ رہے تو وہ تمہاری ساری روشنی کو دور کر دے گی اگر تمہاری کسی پیروں میں تکبر ہے یا غرور پسندی ہے یا کسل ہے تو تم ایسی چیز نہیں وہ جو قبول کے لائق ہو، ایسا نہ ہو کہ تم صرف چند باتوں کو لے کر اپنے تئیں دھوکہ دو کہ ہم نے جو کچھ کرنا تھا کر لیا ہے کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے۔وہ موت جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا، تم آپس میں صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ کو بخش دو کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں، وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت کے ہر پہلو کو چھوڑ دو۔''

اب میرا ایک چھوٹا سا سوال ہے اگر مسیح موعود علیہ السلام آج دوبارہ آ جائیں اور ہماری موجودہ حالتوں کو دیکھیں تو ان کے دل پر کیا گزرے گی۔ حضرت صاحب کے یہ الفاظ، یہ نصائح کئی بار سن چکے ہوں گے لیکن ان کا عملی اثر کیا ہوا یہ ہمارے لئے سوچنے کی بات ہے، ہمارا یہ ایمان ہے، ہمارا یہ یقین ہے اور ہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر حقیقی اسلام احمدیت کے اندر ہے اگر ہم اس سے پہلے نہیں سوچ سکے تو ان تازہ واقعات کے بعد ضرور ان الفاظ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ہم پر جو گزرا گزر گیا اور جو گزر رہا ہے اور آئندہ کے لئے جو امکانی خطرات ہیں اس کی خبر حضرت صاحب آج سے 121 سال پہلے اپنے کشف کے ذریعے، اپنے رسالہ انوار السلام مطبوعہ ستمبر 1894ء کے صفحہ 50 پر زیر عنوان ''ہمارا انجام کیا ہوگا'' دے چکے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

''ایک فرشتہ میرے سامنے آیا اور وہ کہتا ہے لوگ پھرتے جاتے ہیں تب میں نے اس کو کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو اس نے عربی زبان میں جواب دیا کہ میں اس ذات کی طرف سے آیا ہو جو اکیلا ہے تب میں اس کو ایک طرف علیحدگی میں لے گیا، تب میں نے اس کو کہا لوگ تو پھرتے جاتے ہیں مگر کیا تم بھی پھر گئے ہو تو اس نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

یہ بشارت انہی خوش قسمت نفوس کے حق میں ہے جنہوں نے اپنے عہد وفا کے نبھانے کا ارادہ کر رکھا ہو اور جو باوجود مشکلات کے ان کے قدم نہیں

ڈگمگاتے ،سو جب ہم نے ایک طرف یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ ہم قونو مع الصاقین کے ارشاد خداوندی کے ماتحت ایک صادق مامور الٰہی کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، اور دوسری طرف ہماری ایمانی، دینی اور اخلاقی حالتیں وہ نہیں ہیں جو حضرت صاحب جماعت میں دیکھنا چاہتے تھے تو پھر ہم کس طرح نصرت الٰہی کے حق دار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مصائب اور مشکلات میں ڈالنے کی حقیقت اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ مصیبتیں اور دکھ اس لئے آتے ہیں کہ دل نرم ہو جائے اور خدا کے حضور تضرع کرے۔

اس مصیبت کے وقت میں ہم بے قصوں کا علاج سوائے دعا اور گریہ و زاری کے کچھ نہیں۔ حقیقت میں خدا کے حضور رونا اور دعائیں ہی مصائب کو ٹال سکتی ہیں اور دنیا کی تقدیر ان کو بدل سکتی ہے۔ قرآن کریم نے اس رونے کی صفت کو انبیاء، سچے مومنوں اور برگزیدہ الٰہی کا نشان فرمایا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

ترجمہ: ''گو تم اس کو مانو یا نہ مانو جو لوگ اس سے پہلے علم دیئے گئے ہیں جب یہ قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پرودگار کی ذات واقف ہے، ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہے اور روتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے عاجزی میں بڑھاتا ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہمارے راہبر، ہمارے پیشوا نبوت سے پہلے سالہا سال راتوں کو غاروں کی تنہائیوں میں دنیا کی حالت اور معاشرہ کی تاریکیوں اور اس فساد پر روتے رہے یہ حضور صلعم کا ہی رونا انقلاب عظیم دنیا میں لایا جس کی نوید تاریخ عالم میں لکھی گئی۔ حضرت مجدد زماں، مسیح موعود و مہدی موعود اس حقیقت الامر کا اظہار اپنی کتاب ''برکاۃ الدعا'' میں ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:

''دراصل استجابت دعا ہی ہے کہ جس قدر ہزاروں معجزات انبیاء کے حضور میں آئے ہیں یا جو کچھ کہ اولیاء کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھاتے رہے ہیں ان کی اصل منبع یہی ہے اور اصل دعاؤں کے آخری سے یہی طرح طرح کے ہمارے قادر کا تماشا دکھا رہے ہیں اور وہ جو عرب کے بیابان ملک پر ایک عجیب ماجرہ گزرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے۔

زندگی دعا سے ہے اور پشتوں سے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے، نسل درنسل سے بگاڑ اٹھتا ہے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہو گئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی سعادت جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا تم جانتے ہو کہ وہ کیا تھا وہ ایک فنا فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور عجائب باتیں دکھلائیں۔

حضرت نبی کریم صلعم کی بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کے متعلق حضرت عائشہؓ کا ایک قول ہے کہ ''حضور رات کی نماز میں جب روتے تو آپ کے سینے سے اس قدر آوازیں آتیں جیسے ایک ہنڈیا ابل رہی ہو، بدر کے میدان میں جنگ سے پہلے آپ کی دعا کا ذکر آپ نے سنا ہوگا کہ آپ اس قدر روئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا حضور بس کریں کہ آپ اپنے ہاتھ ہلاک کر دیں گے۔ آنحضرت صلعم کی کئی دعائیں احادیث میں منقول ہیں۔ ایک دعا میں آپ کے سامنے پڑھ دیتا ہوں۔

ترجمہ: ''اے اللہ تو جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ میں کہاں پر ہوں، اور جو میرا کلام ہے اسے تو سنتا ہے اور میری مخفی اور میری ظاہر باتوں کو تو جانتا ہے اور تجھ پر میرے معاملات کچھ بھی مخفی نہیں میں تکلیفوں میں مبتلا ہوں، تیرا محتاج، تجھ سے فریاد کرنے والا، تیری پناہ ڈھونڈنے والا، تجھ سے خوف کھانے والا اور تجھ ہی سے ڈرنے والا اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتا ہوں۔ میں بھی اُس بے بس مسکین انسان کی طرح مانگتا ہوں اور ایک ذلیل گناہ گار

کی طرح تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں اور تجھے ایک خوف زدہ انسان کی طرح پکارتا ہوں جسے کچھ نظر نہ آتا ہو اور اس طرح تجھے پکارتا ہوں جس کی گردن تیرے آگے جھکے اور جس کی آنکھیں تیرے آگے اشکبار ہیں اور جس کا جسم تیری تلاش میں گھل گیا اور جس کا ناک تیرے قدموں میں خاک آلودہ ہے، اے اللہ، اے باری تعالیٰ تجھے پکار کر میں بے نصیب یا مایوس نہ ہوں اور تو مجھ پر مہربانی کرنے والا، رحم کرنے والا ہے، اے تو سب سے اچھے جن سے سوال کیا جاتا ہے، اے تو سب سے اعلیٰ ہے جس سے بہتر کوئی نہیں، جن سے سوال کیا جاتا ہے، اے تو سب سے اچھے انصاف کرنے والے اور اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

ہمارے زمانہ میں حضرت مجدد زماں اللہ کے حضور اس قدر روئے اس کی مثال بھی مشکل ہے۔ آپ کی تحریرات میں بھی انتہائی گریہ وزاری ہے اور خدا کے حضور رونے کی تاثیرات کا ذکر اکثر آیا ہے۔ ہمیں اس ساری تعلیمات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو حقیقت میں صحیح اسلام کی تصویر اور آنحضرت صلعم کی سیرت و کردار پر عامل ہونے کا درس دیتی ہیں پر عمل کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آخر میں حضرت صاحب کی تحریر سے بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اپنے وفا شعار بندوں سے کیا سلوک کرتا ہے، اگر ہم خدا کے وفا شعار ہیں تو خدا کا ہم سے کیا سلوک ہوگا۔

آپ فرماتے ہیں:

''درحقیقت وہ خدا بڑا زبردست اور قوی ہے جس کی طرف محبت اور وفا کے ساتھ جھکنے والے ہرگز ضائع نہیں کیے جاتے، دشمن کہتا ہے کہ میں اپنے منصوبوں سے ان کو ہلاک کر دوں گا اور بد اندیش ارادہ کرتا ہے کہ میں ان کو کچل ڈالوں گا مگر خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ اے نادان! کیا تو میرے ساتھ لڑے گا اور میرے عزیز کو ذلیل کر سکے گا درحقیقت زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا مگر وہی جو آسمان پر پہلے ہو چکا اور کوئی زمین کا ہاتھ اس قدر سے زیادہ لمبا نہیں ہو سکتا جس قدر آسمان پر لمبا کیا گیا پس ظلم کے منصوبے باندھنے والے سخت نادان ہیں جو اپنے مفلوج اور قابل شرم منصوبوں کے وقت اس برتر ہستی کو یاد نہیں رکھتے جس کے ارادہ کے بغیر ایک پتہ بھی گر نہیں سکتا لہٰذا وہ اپنے ارادوں میں ہمیشہ ناکام اور شرمندہ رہتے ہیں اور ان کی بدی سے راستبازوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ خدا کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور خلق اللہ کی معرفت بڑھتی ہے وہ قوی اور قادر خدا اگرچہ ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا مگر اپنے عجیب نشانوں سے اپنے تئیں ظاہر ہوتا ہے۔''

مزید دو سطریں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

''یقیناً سمجھو! کہ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ خدا اس کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا وہ راضی نہیں ہوگا جب تک اس کو کمال تک نہ پہنچا دے اور وہ اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کے گرد احاطہ بنائے گا اور تعجب انگیز ترقیات دے گا کیا تو نے کچھ زور لگایا اگر یہ انسان کا کام ہوتا تو کبھی کا یہ درخت کاٹا ہوتا اور اس کا نام و نشان نہ ہوتا۔''

میری یہ التجا اور درخواست ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم جو مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے ہم تک پہنچتی جو درحقیقت قرآن اور آنحضرت صلعم کی سیرت سے ماخذ ہے ان کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں۔ ہم ان تعلیمات کی روشنی میں رنجشیں بھلا دیں، ایک دوسرے کو معاف کرنا سیکھیں، اپنے بھائیوں کی خطاؤں کو معاف کرتے ہوئے ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالیں۔ اخوت اور بھائی چارے کی فضا کو قائم کریں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اسی طرح نگہداشت کریں جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ حضرت نبی کریم صلعم اور آپ کے غلام حضرت مسیح موعودؑ نے کر کے دکھا دی۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین

(تقریر بر موقع سالانہ دعائیہ 24 دسمبر 2015ء)

سیرت النبیؐ

جسارت نذر رب

انسان کے تعلقات تین طرح کے ہوتے ہیں سب سے پہلا تعلق تو اُس کا خدا سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اُس کا خالق اور رازق ہے۔ اس کے بعد اس کا تعلق مخلوق سے ہے کیونکہ اس میں بھی کوئی اس کا معلم، کوئی مہربان اور کوئی دردخواہ ہے۔ کوئی اس کے آرام و آسائش میں کوشاں تو کوئی اس کی محبت اور توجہ کا محتاج ہے۔ کوئی اپنی گری ہوئی حالت کی وجہ سے اس سے مدد کا متمنی ہے۔ غرض ہزاروں لوگ اس سے متعلق ہیں اور اگر اس کے معاملات ان سے درست نہ ہوں اور وہ ان سے بدخلقی سے پیش آئے تو دنیا کا امن وامان جاتا رہے اور فتنہ و فساد میں ترقی ہو۔ پس اگر اس کے اخلاق مخلوق سے درست نہ ہوں تو وہ ایک ڈاکو کی طرح ہو جائے جو دنیا سے امن و آرام کا متاع لوٹتا اور غارت کرتا ہے۔

تیسرا تعلق خود اس کا اپنے نفس سے ہے کیونکہ یہ بھی اس کی بہت سی توجہات کا محتاج ہے اور جس طرح اس کا خالق سے منہ موڑنا یا مخلوق سے بداخلاقی سے پیش آنا نہایت مضر ہے اسی طرح اس کا اپنے نفس سے بدسلوکی کرنا اور اخلاق رذیلا سے پیش آنا نہایت خطرناک ہے اور باعث فساد ہے۔ پس وہ انسان کامل ہوسکتا ہے جو ان تینوں معاملات میں کامل ہو اور تمام صفات میں سے ایک صفت میں بھی کمزوری نہ دکھائے۔

اگر ان تینوں اخلاق کو مدِ نظر کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر انسان جو اخلاق میں کامل سمجھے جاتے ہیں بہت سی کمزوریاں رکھتے ہیں اور اگر ایک قسم کے اخلاق میں انہیں کمال حاصل ہے تو دوسری قسم میں انہیں کوئی دسترس نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور پاک بندوں کا گروہ ہی ایسا نکلے گا جو اِن تینوں اقسام اخلاق میں کمال رکھتا ہے اور کسی خوبی کو اس نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس سلسلہ میں جب ہم رسول پاک صلعم کے اخلاق کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام صاحب کمال لوگوں کے سردار تھے اور باوجود اس کے کہ دنیا میں بہت سے صاحب کمال لوگ گزرے ہیں لیکن جس رنگ میں آپ رنگین تھے اس کے سامنے سب کے رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں اور جن خوبیوں کے آپ جامع تھے اُن کا عشرعشیر بھی کسی اور انسان میں نہیں پایا جاتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

عجب نوریست در جان محمدؐ یعنی محمدؐ کی جان میں عجب نور ہے
عجب لعلیت در کانِ محمدؐ محمدؐ کی کان میں عجیب ہیرہ ہے
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم دونوں جہانوں میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا
کہ دارد شوکت وشان محمدؐ جس کی محمدؐ جیسی شان وشوکت ہو

ہم اس بات سے قطعاً منکر نہیں کہ آپؐ سے پہلے بھی اور آپؐ کے بعد بھی بڑے صاحب کمال لوگ پیدا ہوئے لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ کی مثال دیئے اور سورج کی ہے۔ سمندر اور دریا کی ہے کیونکہ وہ تمام خوبیوں کے جامع تھے جو مختلف اوقات میں مختلف صاحب کمال لوگوں نے حاصل کیں۔ آپؐ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے احکام کی اطاعت میں ایسا محو کر دیا تھا کہ وہ تخلقو باخلاق اللّٰہ کہنے والا انسان خود اس قول کا کامل نمونہ تھا۔

جہاں تک رسول پاک صلعم کا اللہ سے تعلق کا کمال ہے تو ہم جانتے ہیں آپؐ اپنے دعویٰ نبوت سے پہلے بھی اللہ کی تلاش میں میلوں دُور غارِ حرا کی تنہائیوں میں عبادت کیا کرتے تھے۔ اپنی راتوں کو آرام سے گزارنے کی بجائے آپ اپنے رب کی عبادت میں گزارتے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو سند دے دی کہ تمام سجدہ کرنے والوں میں تیرے جیسا سجدہ کرنے والا کوئی نہیں۔

آپؐ اخلاق فاضلہ میں بلند ترین مقام پر فائز ہیں کیونکہ آپؐ سے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین اخلاق کا اظہار ہوا۔ محبت الٰہیہ کے نتیجہ میں آپؐ کے دل میں خدا تعالیٰ اور اُس کے دین کے لئے بے حد غیرت پائی جاتی تھی۔ آپؐ نے نہ صرف دشمنوں کے مقابلہ میں غیرت دینی کا مظاہرہ کیا بلکہ اپنے صحابہؓ میں سے بھی اگر کسی سے احکام الٰہیہ کی ہتک ہوئی تو اس پر آپؐ اظہارِ غیرت سے باز نہ رہتے۔

آپؐ کے اخلاق کریمانہ آپؐ کی تمام زندگی میں محیط ہیں۔ آپؐ ہر خلق میں کمال درجہ پر تھے۔ آپؐ کا ایمان، آپؐ کا اخلاق، تحمل و بردباری، صداقت، صبر و شکر، انصاف، محنت، سادگی، سخاوت، دیانت، مروّت، حسنِ ظن، قناعت، اتحاد و یگانگت، شجاعت، شرم و حیا، عاجزی و انکساری، عفو و درگزر، میانہ روی، آداب ملاقات و قارِ عمل، رواداری، محبت غرضیکہ آپؐ نے ہر موقع پر ان صفات میں لازوال مثالیں چھوڑیں۔ اگر ان واقعات کا ذکر کیا جائے تو یہ موضوع جلد ختم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اب میں اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا براہین احمدیہ میں سے ایک اقتباس نقل کر کے ختم کروں گی۔

آپ فرماتے ہیں: ''خدا تعالیٰ کا ارادہ انبیاء اور اولیاء کی نسبت یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہر ایک قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور بپایہ ثبوت کو پہنچ جائیں۔ سو خدا تعالیٰ اس ارادے کو پورا کرنے کی غرض سے ان کی نورانی عمر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک حصہ تنگیوں اور مصیبتوں میں گزرتا ہے اور ہر طرح سے دُکھ دیئے جاتے ہیں تا وہ اعلیٰ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جو بجز سخت تر مصیبتوں کے ہرگز ظاہر اور ثابت نہیں ہو سکتے۔ اگر ان پر وہ سخت تر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہ کیونکر ثابت ہو کہ وہ ایسی قوم ہے جو مصیبتوں کے پڑنے سے اپنے مولا سے بے وفائی نہیں کرتے بلکہ اور بھی آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ سو خدا تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل کرتا ہے تا کہ ان کا صبر، ان کا اخلاق، ان کا صدق قدم، ان کی استقامت، وفاداری لوگوں پر ظاہر کر کے **الاستقامت فوق الکرامہ** کا مصداق ان کو ٹھہراوے کیونکہ کامل صبر بجز کامل مصیبتوں کے ظاہر نہیں ہوسکتا اور اعلیٰ درجہ کی استقامت اور ثابت قدمی بجز اعلیٰ درجہ کے زلزلے کے معلوم نہیں ہوسکتی اور یہ مصائب حقیقت میں انبیاء اور اولیاء کے لئے روحانی نعمتیں ہیں جن سے دنیا میں ان کے اخلاقِ فاضلہ جن میں وہ بے مثل ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی ترقی ہوتی ہے اور دوسرا حصہ اولیاء اور انبیاء کی عمر کا فتح میں، دولت میں، بمرتبہ کمال ہوتا ہے تا کہ وہ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جن کے ظہور کے لئے فتح مند ہونا، صاحب دولت ہونا، صاحب اختیار ہونا، صاحب اقتدار ہونا، صاحب طاقت ہونا ضروری ہے کیونکہ اپنے دکھ دینے والوں کے گناہ بخشنا اور اپنے ستانے والوں سے درگزر کرنا اور اپنے دشمنوں سے پیار کرنا اور اپنے بداندیشو سے خیر خواہی کرنا سب اخلاق ایسے ہیں جن کے ثبوت کے لئے صاحب دولت اور صاحب طاقت ہونا شرط ہے اور اسی وقت بہ پایہ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب انسان کے لئے دولت اور اقتدار دونوں میسّر ہوں کیونکہ بجز زمانہ مصیبت و ادبار، زمانہ دولت و اقتدار یہ دونوں قسم کے اخلاق ظاہر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے حکمت کاملہ ایزدی نے تقاضا کیا کہ انبیاء اور اولیاء کو ان دو طور کی حالتوں سے کہ جو ہزار ہا نعمتوں پر مشتمل ہیں متمتع کرے۔

آنحضرتؐ پر یہ دونوں حالتیں کمال وضاحت سے وارد ہوگئیں اور ایسی ترتیب سے آئیں کہ جس سے تمام اخلاق فاضلہ آنحضرت صلعم مثل آفتاب کے روشن ہو گئے اور مضمون **انک لعلی خلق عظیم** بہ پایہ ثبوت پہنچ گیا اور آنحضرت صلعم کے اخلاق کا دونوں طور پر علی وجہ الکمال ثابت ہونا تمام انبیاء کے اخلاق کو ثابت کرتا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے ان کی نبوت اور ان کی کتابوں کو تصدیق کیا اور ان کا مقرب اللہ ہونا ظاہر کر دیا۔'

مصطفےٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور کیا بادِ خدایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں
لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

داعیان حق کے اخلاق و کردار کیسے ہوں؟

میجر (ر) اعجاز الحق بٹ

ترجمہ:''اور نیکی اور بدی برابر نہیں بدی کو بہت اچھے طریق سے دور کر پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا کہ وہ دلسوز دوست ہے اور یہ خصلت انہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بھی بات پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

یہ ایام بڑے ہی مبارک ہیں کیونکہ ربیع الاول کا مہینہ چل رہا ہے وہ مہینہ جس میں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی ولادت ہوئی۔ اس اسلامی ماہ میں ہمارا دعائیہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس دعائیہ کی بھی ہمارے لئے بہت اہمیت ہے جیسا کہ حضرت امیر نے اپنے خطاب میں فرمایا۔ یہ جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں ہماری جماعت کے لئے ان کی بہت اہمیت ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بظاہر تو آنحضرت صلعم کو مخاطب کیا ہے لیکن آنحضرت صلعم کی وساطت سے ہر اس شخص کو جو دعوت الی اللہ کرتا ہے۔ مخاطب کیا ہے۔ آنحضرت صلعم نے اول مخاطب ہونے کے ناطے اپنی سیرت کے ہر گوشے کی طرح تبلیغ حق کے داعیوں کے لئے بھی قرآن کی ان آیات پر عمل کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کے لئے راہ ہدایت ہے۔ اس نمونہ سے انحراف کر کے تبلیغی کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ دراصل تبلیغ دین حیات قومی کے لئے سانس کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

جب ہم تاریخ پڑھتے ہیں تو اس چیز کو محسوس کرتے ہیں کہ جو قومیں دعوت الی اللہ چھوڑ دیتی ہیں ان پر تنزل آ جاتا ہے اور جو قومیں دعوت الی اللہ، دعوت اسلام دیتی ہیں وہ زندہ رہتی ہیں جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو اسلام وہ مذہب ہے جو انبیاء کے سلسلہ کی وساطت سے اس دنیا میں آیا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی پہچان دلاتا ہے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی تلقین کرتا ہے اور انصاف کا حکم دیتا ہے جب قومیں اس تبلیغ اسلام کو چھوڑ دیتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کا سسٹم ہے جس کے تحت وہ دنیا کا نظام چلا رہا ہے تو مذہب کا رجحان ایسے لوگوں کی طرف ہو جاتا ہے جو روزی روٹی کے لئے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور دنیا کو متوجہ کرنے کے لئے معجزات اور قصوں پر اکتفا کرتے ہیں چونکہ ان کے پاس قرآن کا علم نہیں ہوتا اس لئے وہ معجزات سنا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں انٹرنیٹ میں ایک مولوی صاحب ایک قصہ سنا رہے تھے کہ احمد رضا بریلوی صاحب کو کسی نے حافظ قرآن کہا تو آپ کو غصہ آ گیا کہ میں تو حافظ قرآن نہیں ہوں آپ مجھے حافظ قرآن کیوں کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں قرآن حفظ کروں۔ تو کہتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا حضرت صاحب جو تھے وہ مغرب کی نماز کے بعد بیٹھتے تھے جس میں کھانا پینا، روزہ کھولنا سب شامل ہوتا تھا اور عشاء کی نماز کے بعد جب آپ تراویح پڑھاتے تھے تو ایک سپارہ یاد کیا ہوتا تھا وہ سنا دیتے تھے تو جو انٹرویو لینے والا تھا وہ تھوڑا پڑھا لکھا آدمی تھا وہ کہنے لگا حضرت صاحب یہ تو بڑا تھوڑا سا ٹائم ہوتا ہے اس میں وہ کیسے ایک سپارہ حفظ کر لیتے تھے، تو کہتے ہیں یہ ایک معمولی معجزہ ہے اس سے بھی بڑے بڑے معجزے ہیں کہتے ہیں حضرت علیؓ جب گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو ایک رکاب میں جب پاؤں رکھتے تھے تو قرآن شروع کرتے تھے اور جب دوسری

رکاب میں پاؤں رکھتے تھے تو قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے معجزات سنا کر وہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ لیکن جب انبیاء اور مجدد دین آتے ہیں تو وہ ان کے پول کھول دیتے ہیں تو ہوتا یہ ہے کہ وہ ان مجددین کے مخالف ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس علم نہیں ہوتا۔

حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ ولی اللہ قرآن سے نکلتا ہے اور پھر قرآن اس سے نکلتا ہے۔ مجدد دین جو ہوتے ہیں ان کو قرآن کی معرفت ہوتی ہے۔ ان کی تحریرات آپ پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کے مطیع ہوتے ہیں وہ سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے اللہ کی جانب بلاتے ہیں۔ وہ لاف وگزاف سے کام نہیں لیتے۔

اس آیت میں جو میں نے تلاوت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ صبر کریں تو صبر کے بارے میں یہ بھی بتا دیا کہ یہ بڑے ہمت والے کاموں میں سے ہے۔ یہ مقام صبر انہی لوگوں کو میسر آتا ہے جو خوش قسمت ہوتے ہیں۔ اور صبر کا طریق بھی وہی ہوگا جس پر آنحضرت صلعم نے خود عمل کر کے دکھا دیا۔ آپؐ کے ہر عمل میں میانہ روی پائی جاتی تھی کیونکہ اسلام نام ہی میانہ روی کا ہے۔ آپؐ نے صبر میں بھی میانہ روی کا ثبوت دے کر دکھا دیا۔ آپ کی اتباع میں ڈوبے ہوئے مجدد دین اور محدثین بھی اسی طریق پر قائم تھے لیکن بدقسمتی سے ان کے مریدین ان کی زندگی کے بعد ان کی طرف ایسے واقعات منسوب کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کو مقام اعتراض بنا دیتے ہیں۔ ولی اللہ نہ تو گر جاتے ہیں اور نہ ہی تکبر کی سیڑھی پر چڑھتے ہیں۔ وہ مقام اعتدال پر قائم ہوتے ہیں۔

ایک مرید نے حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں ایک قصہ لکھا ہوا تھا کہ: ''آپؒ کشتی میں سوار تھے تو کسی نے ان کے اوپر پیشاب کرنا شروع کر دیا تو آپ نے اس کو برداشت کیا۔ مجدد دین جو ہوتے ہیں وہ ایسی باتیں برداشت نہیں کرتے، انسان کو غصہ بھی آتا ہے اور غصے کے موقع پر اس کو غصہ دکھانا بھی چاہیے۔ جو مومن ہوتا ہے وہ غصے کو دباتا ہے، انبیاء نے بھی غصہ دکھایا، جہاں انسان کو صبر دکھانا ہو اس کو صبر دکھانا چاہیے کہاں صبر دکھانا چاہیے جب آپ مکہ کی زندگی پڑھتے ہیں اور حضرت محمد صلعم کا اسوہ حسنہ دیکھتے ہیں، بہترین مثالیں حضرت محمد صلعم کی زندگی میں ملتی ہیں، لوگوں نے گالیاں دیں، تمسخر اڑایا، آپ نے برداشت کیا، کسی کو گالی نہیں دی، ایسا صبر دکھایا کہ تیرہ سال صحابہ کی بہترین ٹریننگ ہوئی لیکن صحابہؓ نے جنگیں بھی کر کے دکھا دیں۔ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایک گال پر تماچہ مارے تو دوسرا بھی گال آگے کر دو۔ اسلام نے اس قسم کی تعلیم نہیں دی۔ ایسا صبر جس سے انسان کی تذلیل ہو وہ صبر ٹھیک نہیں ہے، صبر کا مطلب ہے آپ برداشت کریں حق پر قائم رہیں، ہم پر تھوڑی سی تکلیف آتی ہے تو ہم گھبرا جاتے ہیں، بعض دفعہ مالی مشکلات بھی آتی ہیں، حضرت صاحب پر بھی مالی مشکلات آئیں، لوگوں نے کافر کہا، گالیاں دی، دجال کہا آپ نے سب برداشت کیا، ایک دفعہ انتہائی مالی مشکلات آئی تو آپ نے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے شیطان کی طرف سے تجھے بری خبر پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگ تو آپ نے بھی اللہ کی پناہ مانگی۔ یہ تمام باتیں جب ہم دیکھتے ہیں تو نبی اکرم صلعم کی زندگی میں، مجددین کی زندگی میں ملتی ہیں حضرت صاحب چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور تمام ان کی باتیں تحریری شکل میں موجود ہیں اور آپ نے قرآن کی آیات کی ایسی خوبصورت تفسیر کر دی ہے کہ میرے خیال میں جو حضرت صاحب کی کتابیں پڑھتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے تو اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

ہر احمدی اپنی اپنی جگہ پر مبلغ ہے اس لئے جب ہم اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں تو ایک رول ماڈل ہونا چاہیے، نہ تو جھوٹ بولنا چاہیے، نہ بددیانتی کرنی چاہیے اور اپنے عقیدہ پر قائم رہنا چاہیے، احمدیت میں اور باقی

مسلمانوں میں فرق یہ ہے کہ ہم شرک نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت صاحب نے ہم پر کتنا بڑا احسان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جب بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تو یہ بہت بڑا شرک تھا کہ ایک انسان کو ہم کہتے تھے کہ وہ زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''آسمان گر کیوں نہیں جاتا اور زمین شق کیوں نہیں ہو جاتی'' یہ کتنا بڑا شرک ہے کہ ایک انسان کو ہم خدا بناتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ دوبارہ آئیں گے۔ اسی لئے جب حضرت صاحب کو ایک یہودی نے خط لکھا کہ میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا کہ ان سے پہلے حضرت الیاس علیہ السلام نے آسمان سے اترنا ہے وہ نہیں اترے لہذا میں ان کو جھوٹا مانتا ہوں۔ یہ ایک ایسا عقیدہ تھا جو یہودیوں نے راسخ کیا ہوا تھا اور اسی پر مسلمانوں نے قدم پر قدم مارا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر پہنچا دیا۔ یہ ہم پر بہت بڑا احسان ہے حضرت صاحب کا کہ انہوں نے پھر وہی عقیدہ جو اصلی عقیدہ اسلام کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، تمام انبیاء حضرت محمد صلعم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں اور یہی عقیدہ تھا محمد صلعم اور صحابہؓ کا اور اس پر چونکہ گرد پڑتی رہی اور آہستہ آہستہ عقیدہ بگڑتا گیا عیسائیت پھیلنی شروع ہوگئی کیونکہ عیسائی یہی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ نے بعد میں ماننا ہے تو ابھی مان لو یہ بھی بہت بڑا شرک تھا اور ہمیں بہت شکر گزار ہونا چاہیے کہ حضرت صاحب نے اس امت کو شرک سے بچایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

''اے اللہ تعالیٰ مجھے مثیل مسیح نہ بنانا'' مثیل مسیح یہ بہت بڑا امتحان تھا انسان اور مجدد دین کا کہ اگر وہ مجدد دین بھی مثیل بن جاتے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہت ظلم کیے گئے ان کی قوم نے ان پر بہت ظلم کیے ان کو پھانسی تک لے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اسی لئے مجدد دین اس بات سے پناہ مانگتے رہے کہ ان کو مثیل مسیح نہ بنانا جس کو مثیل مسیح بنایا وہ ہمارے مسیح موعود علیہ السلام تھے اور ان پر آپ دیکھیں کہ کس قدر یلغار کی مخالفت ہوئی اور خوبصورت بات یہ ہے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جب انبیاء علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں ہر نبی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے پھر اس کا ذکر خیر باقی رکھا۔ اسی طرح مجدد دین کا ذکر خیر رہتا ہے اور جو ان کے مخالف ہوتے ہیں ان کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ کدھر گئے قائداعظم کے مخالف جو ان کو کافر اعظم کہتے تھے۔

حضرت صاحب کے لئے سعودی عرب سے فتوے منگوائے گئے کدھر گئے وہ مولوی؟ انشاء اللہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ جب حضرت صاحب کا نام سب مسلمان عزت سے لیا کریں گے۔ اس لئے آخر میں یہ کہوں گا کہ ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے کہ ہم سب ثابت قدم رہیں اور حضرت صاحب کی تعلیمات کو آگے لے کر چلیں۔ حضرت محمد صلعم کی تعلیمات جو قرآن کا نمونہ تھا۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضرت محمد صلعم کی زندگی پر روشنی ڈالیں تو آپؓ نے قرآن اٹھا کر بتا دیا کہ یہ ان کی زندگی ہے۔

ہمیں بھی قرآن پاک پر عمل کرنا چاہیے اور اچھی بات کہنا بھی ایک تبلیغ ہے یہ ضروری نہیں کہ آپ مبلغ بنیں اور دوسری دنیا میں جا کر تبلیغ کریں، آپ ہر جگہ مبلغ ہیں، جب آپ کسی کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں تو آپ مبلغ کا کام کرتے ہیں اور یہی نیکی کا کام ہے کہ آپ دوسروں کو نیکی پر لگا دیں۔

(برموقع سالانہ دعائیہ 24 دسمبر 2015ء)

☆☆☆☆

اس نورؐ پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں

طاہر صادق

یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے اور ربیع الاول میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ، انتہائی برکتوں والا مہینہ ہے ۔ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا ایک حوالہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو آپ صلعم کی وفات ہوئی لوگ بارہ ربیع الاول کو ہی یوم وفات مناتے تھے اور افسوس کا اظہار کرتے تھے تو حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ بارہ ربیع الاول خوشی کا دن بھی ہے کیونکہ اسی دن آپ کی پیدائش بھی ہوئی ۔تو حضرت مسیح موعود کے خیال میں نبی کریم صلعم فوت نہیں ہوئے ، جیسے عام لوگوں کی وفات ہوتی ہے اور ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جب تک تمہارا خدا، قرآن، رسول زندہ ہے تو تمہیں مردوں کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے ۔ طاہر القادری صاحب کہتے ہیں کہ جس وقت آپ صلعم پیدا ہوئے تو سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے برتھ ڈے منائی، اور پھر اس طرح کے اور بھی خیالات ہیں جو صوفی ہیں ان کے اور خیالات ہیں اور جو باقی لوگ ہیں اہل حدیث وغیرہ ان کے خیال کے مطابق یہ بدعت ہے، یہ ایک لمبا مضمون ہے اس میں تھوڑی سی بات کروں گا، مجھے انتہائی خوشی ہے کہ اس مسجد میں پہلے دن سے لے کر آج تک ہر ایک مقرر نے نبی کریم صلعم کا انتہائی محبت اور خلوص کے ساتھ ذکر کیا ہے، یہ دکھانے والی بات نہیں ہے بلکہ ہماری تعلیم ہی یہی ہے، ہمیں امام وقت نے سکھایا ہی یہی ہے، ہمارے پاس سوائے عشق رسولؐ کے اور ہے ہی کیا۔

”جب یہ مبارک ساعت نبی کریم صلعم کی ولادت کی آئی جس میں خدا تعالیٰ نے اپنی تمام رحمت کو انسانی وجود میں بھیجنا ٹھہرایا جب محمد رحمت العالمین بن کر آرہے تھے ، جب سلسلہ نبوت کمال کو پہنچ رہا تھا اور جب خاتم النبیینؐ تشریف لا رہے تھے تو پوری کائنات نور میں نہا گئی، مشک اور عنبر سے بھی بہت اعلیٰ قسم کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی ، چاند، ستارے ، پہاڑ، شجر اور حجر سجدہ ریز ہوگئے اور فرشتے آسمان سے زمین تک لاکھوں کی تعداد میں قطار در قطار اترنے لگے اور رسول کریم صلعم کا دیدار کرنے لگے، دنیا جو ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی ، ہر طرف اندھیرا تھا ، کفر اور الحاد ظلم وتشدد، وحشت اور بربریت تھی، جہالت تھی کیا انسان اور کیا جانور حتیٰ کہ بحر و بر سبھی گمراہی میں مبتلا تھے ، ایسے لگتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حاکمیت لوگوں نے ماننی چھوڑ دی ہے، ایسے میں وہ خیر البشرؐ تشریف لائے ۔حالیؒ فرماتے ہیں:

ارض وسما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

یہ جو میں نے بیان کیا ہے، یہ لوگوں نے لکھا ہے، کچھ ثبوت بھی کہتے ہیں کہ فلاں نے کہا فلاں نے کہا لیکن اس کے بعد جو ہوا وہ ساری دنیا نے دیکھا اور مانا اور تسلیم کر رہے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت اصلاح انسانی کا کام انتہائی دشوار تھا لیکن خیر الامم کے وصال تک جس قدر اصلاحات مکمل ہو چکی تھیں ہم ان کا احاطہ کرنے سے بھی قاصر ہیں کہ اتنی قلیل مدت میں اتنی عظیم فوز وفلاح نے کامل بشریت کو بوسہ دیا ہو۔

صوفیاء کی اپنی دنیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روحانی محفل تھی جس میں رسول کریم صلعم صاحب صدر تھے اور صوفیاء اور مداح بیٹھے ہوئے تھے اور امیر خسروؒ نے اپنی نعت نبی کریم صلعم کے سامنے سنائی، نبی کریم صلعم نے یہ نعت سنی تو آپ نے کئی مرتبہ فرمایا مقرر ۔ اور آپ نے یہ الفاظ بار ہا دفعہ

دوہرائے۔ بہت حسب حال بات ہے اور ہمارے دل کے حالات کو ثابت کرتی ہے، فرماتے ہیں:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

یہ نبی کریم صلعم کی خوبیوں کا آپؒ نے اظہار فرمایا، میرے دل میں جس شخص نے نبی کریم صلعم کی محبت کی اور جس نے رسول کریم صلعم کا صحیح مقام او رمرتبہ میرے دل میں بیٹھایا اور جس کے اوپر جھوٹے الزاموں کی اس لئے بارش کی گئی کہ وہ خدا کے کہنے پر وہ بات کہتا ہے جو سچی ہے اور جس کو زمانے کے گرد وغبار نے کو ڈھانپا ہوا ہے۔ میں حضرت مسیح موعودؑ کے کچھ اشعار آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

ان اشعار میں آپ غور کریں کہ کتنی محبت اور کتنی تعریف لیکن نبوت کے دعویٰ سے کس قدر باریک لفظوں میں اور کتنی وضاحت سے انکار ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدالدجیٰ یہی ہے
وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب وامیں ہے اس کی ثناء یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

میں نے ضروری سمجھا کہ سب لوگ جب بولتے ہیں تو میں اگر نہ بولوں تو گنہگار کہلاؤں۔ خدا تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلعم کے صدقے دین اسلام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جو شاہد عزیز صاحب نے سوال اٹھایا کہ کس نے کب سب سے پہلے کہاں سے برتھ ڈے منائی تو نبی کریم صلعم نے کبھی نہیں منائی، اس کی کوئی گواہی نہیں ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عائشہؓ، رسول کریم صلعم کی ازواج، خلفائے راشدین میں سے کسی نے نہیں منائی، یہ تین سو سال تک نبی کریم صلعم کی برتھ ڈے کسی نے نہیں منائی، چھ سو سال بعد موصل کے شہر میں ایک شیخ عبدالرحمٰن بن محمد نے اس کی تحریک کی اور اس کی تحریک پر جو حاکم تھا وہاں کا ملک مظفرالدین اس نے نبی کریم صلعم کی برتھ ڈے منانے کا سلسلہ شروع کیا اور انتہائی فضول خرچی سے کہ ایک ہزار بھینسے ذبح کیے جاتے تھے، چالیس پچاس ہزار مرغیاں ذبح کی جاتیں تھیں اور اتنا غلط سلسلہ تھا جو نبی کریم صلعم کی سنت میں کہیں نظر نہیں آتا۔

آپ سب احباب نے بہت میٹھی میٹھی باتیں سنیں، میں بہت کڑوی باتیں کروں گا اس کے لئے میں پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ پہلی جو بات کرنا چاہتا وہ یہ ہے کہ ''مت وعدے کرو اگر تم ان کو پورا کرنے کے لئے کوشش نہیں کرتے''، ہم نے ایک وعدہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور وہ وعدہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اس میں دو باتیں ہیں کوئی بھی الہ نہیں ہے وہی ذات واحد عبادت کے لائق، صرف اللہ تعالیٰ واحد ہے جو آپ کی عبادت کے قابل ہے، جس کے آگے جھکنا چاہیے، جس کی اطاعت کرنی چاہیے جو آپ کا مطلوب، مقصود اور محبوب ہو وہ صرف ایک الہ ہے اور اس کی ذات وصفات میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور وہ اللہ ہے۔ یہ ہمارا پہلا وعدہ ہے۔ آپ

کیوں ڈرتے ہیں کہ آپ نے اگر اعلان کر دیا ہے کہ آپ احمدی ہیں تو لوگ آپ کو مار دیں گے، آپ کمزور ہیں آپ کی جماعت کو لوگ مار دیں گے، آپ کیوں ڈرتے ہیں کہ امریکہ آپ کو مار دے گا تو کیا یہ لما تقلونا مالا تفعلون کے خلاف نہیں ہے اور دوسرا وعدہ ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فا تبعونی یحببکم اللّٰہ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم کہتے ہو کہ ہم خدا سے محبت کرتے ہیں تو میری اتباع کرو' جیسے میں خدا کو مانتا ہوں ویسے مانو، جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ویسے پڑھو، جیسے میں اپنی بیوی سے سلوک کرتا ہوں ویسے کرو، جیسے میں اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرتا ہوں ویسے کرو، تو کامیاب کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی کامل اتباع اور اس میں شرک، کفر اور بدعت سے انکار ہے، الحمد اللہ میں یہ دیکھا ہوں یہ جو جماعت ہے مامور کی، یہ مشرک نہیں ہے، خدا واحد ولاشریک پر ان کا کامل ایمان ہے، اور یہ تکلیفیں اپنی اجتماعی اور انفرادی طور پر خدا کے آگے گڑگڑا کر اپنی باتیں منواتے ہیں۔ پھر وعدہ ہے وہ بھی بڑا سخت وعدہ ہے۔

دیکھو نبی ایک وقت کے لئے آتا ہے پھر خدا کی سنت ہے کہ وہ اس دنیا سے غائب ہو جاتا ہے پھر ایک سلسلہ جو خدا کی شروع سے سنت چلی آرہی ہے وہ خلفاء کا سلسلہ ہے۔ حضرت صاحب ایک مضمون بیان کرتے ہیں کہ آسمان کے اوپر ایک دفتر ہے جس میں نبی کریم صلعم CEO ہیں اور وہاں باقی انبیاء اور امت کے بڑے بڑے بزرگ لوگ ہیں وہ وہاں پر رہتے ہیں، وہاں ان کو رپورٹ دی جاتی ہے کہ اب دنیا میں یہ ہو رہا ہے وہاں سے پھر ایکشن لیا جاتا ہے اور وہاں سے لوگ مامور کر کے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں اور پھر ان ماموروں کو ماننا ضروری ہے۔ کل میں میرے بھائی ایاز ایڈووکیٹ نے بہت پیاری تقریر کی۔ اور میں دیکھتا تھا کہ کاش لوگ غور سے سنیں اور نوٹس بنائیں، انہوں نے یہ بتایا کہ حضرت صاحب کو ماننا کیوں ضروری ہے۔

ہم نے اپنے پیچھے ایک دروازہ رکھا ہوا ہے، جب ہمیں تھوڑی سی تکلیف پہنچتی ہے تو میں ادھر سے نکل جاتا ہوں کہ میں تو مسلمان ہوں، پہلے تو ہم نے خود یہ تسلیم کر لیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔ ورنہ دو ناموں کی ضرورت ہی نہیں۔ احمدیت میں اسلام ہے کیونکہ مرزا صاحب کو خدا اور اس کے رسول نے مامور بنا کر بھیجا وہ خود سے نہیں آئے۔ لیکن ہمیں جو تکلیف ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا ایمان کمزور ہے، ہمارا ایمان باللہ ٹھیک ہے، رسول کریم صلعم کے اوپر بھی ٹھیک ہے کہ ہم وہاں پر سوال جواب نہیں کیے جاتے، لیکن ہم نے وہاں سے حضرت مرزا صاحب کو ماننے کے لئے ایک چیز Optional رکھی کہ دل ہے تو مانیں نہیں تو نہیں مانیں، اگر آپ احمدیت چھوڑ دو گے تو آپ مسلمان نہیں ہیں۔

آپ کہتے ہیں کہ قادیانی کیوں زیادے بڑھ گئے وہ اس لئے بڑھ گئے کیونکہ ان کے پاس راستہ نہیں، ان کی دیواریں بند ہیں، جبکہ یہاں پر بہت سارے راستے ہیں۔ جب تک ہمارا ایمان نہیں ہوگا تب تک ہم صحیح احمدی نہیں ہیں اور جب تک ہم صحیح احمدی نہیں ہے تب تک یہ جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے ساتھ منافقت کرتے ہیں، ہم اپنے آپ کو یہ سمجھنے نہیں دیتے کہ ہم کیا ہیں۔

یہ پہلی بات ہے اور اس پر میں چاہتا ہوں کہ آپ فیصلہ کریں کہ آپ احمدی ہیں۔ اگر میرا اختیار ہو شریعت اس میں مانع نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ میں صرف احمدی ہوں، ہمیں کیا ضرورت ہے کسی سے سرٹیفکیٹ لینے کی، یہ جاہل لوگ یہ فیصلہ کریں گے کہ ہم کافر ہیں یا مسلمان ہیں۔ غامدی صاحب فرماتے ہیں: ''یہ جو کفر اور مسلمان کا مسئلہ ہے یہ جب تک نبی زندہ تھا یہ اس کا کام تھا، جب نبی فوت ہو گیا اور دنیا میں نہ رہا تو یہ مسئلہ قیامت تک چلا گیا۔''

آپ قیامت تک چلتے جائیں وہاں خدا فیصلہ کرے گا کہ یہ مسلمان ہے یا کافر ہے۔ جب کسی پارلیمنٹ کو اختیار ہی نہیں ہے تو آپ ان لوگوں کی

طرف کیوں دیکھتے ہیں، بالفرض آپ کو پارلیمنٹ نے آپ کو مسلمان کہہ دیا لیکن آپ کو خدا مسلمان نہ مانے تو کیا آپ مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ ایمان پکا کرو کہ آپ مسلمان ہیں، آپ کو کسی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے، ہم کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے، اگر 99 وجوہ کفر کی ہیں اور ایک وجہ مسلمان کی ہو تو ہم اس کو مسلمان کہیں گے،۔

فرض کریں میرے اندر ایک بُری عادت سگریٹ پینے کی ہو تو میں چاہوں گا میرا بیٹا سگریٹ نہ پیے، لیکن اگر میرے اندر کوئی اچھی عادت ہے تو میں چاہوں گا میرا بیٹا بھی اس اچھے کام میں لگے۔ ہمیں اپنی اولاد سے محبت نہیں ہے۔

ہماری اندر ایک اور خامی ہے وہ تعظیم کی ہے، ہم آزاد ہیں، ہم کسی کو بھی کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، امیر کی کیا حیثیت ہے جو ہمارے ووٹ سے بنتا ہے، میں اس کی کیوں عزت کروں، میں کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی قوم کو یہ مشورہ دیا کہ خلیفہ کو خدا بناتا ہے لیکن بنتے تو وہ بھی ویسے ہی ہیں لیکن ہمارے اندر خمار ہے کہ امیر تو ہم بناتے ہیں، یہ اچھا نہ بنا دوسرا بنا لیتے ہیں، ہم تاریخ پڑھ لیں، میں موجودہ امیر قوم کی بات نہیں کرتا بلکہ جنرل بات کرتا ہوں، اس میں تعظیم ہونی چاہیے کہ آپ متفقہ طور پر اپنی دانست میں سمجھا کہ یہ بندہ جماعت کے لئے اچھا ہے۔

تیسری بات جو ہماری ہے کہ ہم جماعت کا مطلب نہیں سمجھتے، بس یہی کہتے ہیں کہ جماعت یہ نہیں کرتی، وہ نہیں کرتی، اس کو میں ایک مثال سے ثابت کرتا ہوں کہ ایک کیلے کا پودا ہوتا ہے اس کے تنے کو اگر آپ لیں اس کو چھیلنا شروع کر دیں حتیٰ کہ کچھ نہ بچے۔ جماعتیں بھی اس کیلے کے چھلکے کی مانند ہے، جو تہہ در تہہ اپنے یونٹ کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو قوت اور سہارا دیتے ہیں۔ ہر ایک چھلکے کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر میں کٹ گیا تو سارا رس باہر نکل جائے گا اور پودا مر جائے گا۔ آپ سب وہ کیلے کے چھلکے ہیں اگر آپ اکٹھے ہیں تو آپ جماعت ہیں، آپ کیا اس پھل کو جو اوپر لگتا ہے اس کو جماعت کہیں گے، نہیں وہ جڑوں سے لے کر اوپر تک جو سارا نظام ہے یہ جماعت ہے۔ گلے شکوے نہیں کیا کریں،

ایک اور بات یہ جو بیعت ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اسکے بغیر آپ کچھ نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جماعت بنائی اس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی مشکلات سے بچانے کے لئے ایک کشتی نوح بنائی تا کہ اس کشتی نوح کے اندر داخل ہو کر آپ محفوظ ہو جائیں اور ہر طرح کے مصائب سے آپ بچ جائیں اور اس کشتی نوح کا ایک ٹکٹ ہے اور وہ ٹکٹ ہے بیعت۔ جب تک آپ مقرر شدہ شخص کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ نہیں دیتے کہ میں احمدی ہوں اور میں ان شرطوں کو مانتا ہوں اس وقت تک آپ اس کشتی کے سوار نہیں بن سکتے۔

جو دین کا دنیا پر مقدم کرنے کا وعدہ ہے، اس کے لئے میں آپ کو دو چار مثالیں دینا چاہتا ہوں، حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے باپ کے خلاف گواہی دے دی کہ یہ زمین سکھوں کی ہے میرے باپ کی نہیں ہے جس کے وہ خود وارث بننے والے تھے۔ شیخ اسماعیل صاحب (لائل پور) ہماری جماعت کے بزرگ تھے ان کے پاس ان کے صاحبزادے شیخ فاروق گئے اور کہنے لگے کہ اماں مر رہی ہے اور اس نے کہا ہے کہ خدا کے لئے شیخ صاحب میرے سامنے آ جائیں انہوں نے ایک دم پگڑی اٹھائی اور سر پر رکھی تو سامنے مسجد سے آواز آئی اللہ اکبر انہوں نے صاحبزادے کو جواب دیا ماں کو کہہ دو میرے پاس چوائس نہیں ہے اگر زندگی ہوئی تو ملاقات ہوگی۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے گھر کو آگ لگ گئی تو اس بیقراری کے عالم میں آپ اس وقت مسجد کی طرف بھاگتے ہیں وہاں پر ایک شیعہ افسر تھا اس نے عدالت میں بیان دیا کہ یہ بزرگ آدمی دوڑ کر میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مسجد کو بچاؤ، ایک دفعہ بھی

اپنے گھر کے بارے میں نہیں سوچا۔لوگ دین کو دنیا پر مقدم کرتے ہیں۔

اب میری بہت ہی دردمندانہ اپیل ہے شاید اگلی دفعہ آپ ہوں میں نہ ہوں۔ میں اپنی بہنوں سے بات کرتا ہوں کہ ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تازہ خون، ہمیں یہ بچے چاہئیں، پہلے مجھ سے پوچھو کہ میرے کتنے بچے اس وقت اس جلسے میں بیٹھے ہیں، ان خواتین کے پاس بہت طاقت ہے اگر یہ چاہئیں تو اس جماعت کو دس گنا بڑھا سکتی ہیں، یہ جو زبان بولتی ہیں بچے وہی زبان بولتے ہیں، ان کے ہاتھ میں بچے کی تقدیر ہے، جو ان کی سوچ ہے بچے کی وہی سوچ ہوتی ہے، اپنے بچوں کو احمدیت سے مت بھگاؤ خدا کی قسم غیر محفوظ ہو جائیں گے نہ دنیا کے رہیں گے اور نہ دین کے رہیں گے۔

میں آپ کو مثال دیتا ہوں، میں جب 24 سال کا تھا تو 74 کے جب ہنگامے ہو رہے تھے تو ہم راولپنڈی میں تھے تو مجھے فیکٹری والوں نے کہا آپ خطرے میں ہیں آپ چھٹی کرو ہمیں نقصان ہوگا تو ہم سب چلے گئے مری والی سائیڈ پر۔ وہاں پر انور صاحب میرے بہنوئی تھے ان کے گھر رہے وہاں پر پتھراؤ ہوا فائرنگ ہوئی، وہاں سے ہم بھاگے اسلام آباد چلے گئے، ایبٹ آباد میں جانجی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے گھر پر بھی بہت کچھ ہوا، میرے اپنے گھر کو آگ لگا دی گئی اور سارا سامان لوٹ کر لے گئے تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ میں تو مسلمان ہی ہوں تو کیوں نہ میں اس دروازے سے نکل جاؤں، میرے دل میں خیال تھا مجھے بھاگنے سے بچانے والا کون تھا وہ میری ماں تھی، ہماری ماں کے ایمان کو دیکھ کر ہمارے اندر یہ جرات نہیں ہوئی کہ ہم بھاگیں، تو یہ بھی ساری مائیں ہیں اپنے بچوں کے لئے مثال قائم کریں، اگر یہ اپنے بچوں کے لئے مثال پیدا کریں اور اگر ان میں سے ثابت قدمی ہو تو بچہ کبھی احمدیت نہیں چھوڑے گا، ہمارے بچے مخالفوں کے ٹارگٹ میں ہیں اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کو معلوم بھی نہیں ہے، ہم جہاں سے اٹھتے ہیں وہاں سے پیچھے مولوی آ کر کہتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہیں یہاں جگہ دھو کر پاک کرو اور ان برتنوں کو پھینک دو۔

تو احمدیت ہماری بہنوں کے ہاتھ میں ہے خدا کے لئے احمدیت کو بچاؤ اپنے بچوں کا مستقبل بھی بچاؤ، احمدیت میں بچت ہے، ہم سارے لوگ احمدیت کی وجہ سے ہیں ہمیں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ہم جب مریں تو کیا ہوگا ہمارا کارساز خدا ہے۔

حضرت صاحب میرے والد کے پاس خواب میں 1953ء میں آئے ، جب لوگوں نے ان کو گھیر لیا، دروازے پر دستک ہوئی والد صاحب لکھتے ہیں کہ میں دروازے پر گیا تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود کھڑے ہیں تو میں نے کہا حضور آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں تو کہنے لگے کہ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ میں آپ کی حفاظت کر رہا ہوں آپ آرام سے سو جاؤ، اس وقت میں تین سال کا تھا، 63 سال گزر گئے ہیں باوجود دشمنی اور مخالفت کے، اگر کوئی مجھے مرزائی کہتا ہے تو مرزا کے حساب سے میں مرزائی بھی ہوں ، اور کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یا اللہ کو چھوڑ دو اور خدا سے طاقتور کسی اور کو مان لو، بچوں کو احمدیت کی طرف لاؤ، یہ ماؤں کا قصور ہے، چار سال پہلے میں نے کہا تھا کہ محمد علی پیدا کرو، کوئی نور الدین پیدا کرو، کوئی صدر الدین پیدا کرو، ہمیں احمدیت کی حفاظت کے لئے ان کے زیور نہیں چاہئیں، ہمیں یہ اپنی اولاد دے دیں اور ہمارا مستقبل بچا دیں۔

☆☆☆☆

حاصل مطالعہ

مذہبی انتہا پسندی

جاوید احمد غامدی

(خلافت راشدہ کی مثالی خلافت کے بعد صورت حال بدل گئی اور ملوکیت کا دور دورہ رہا۔لیکن پھر بھی محدثین اور مجتہدین کے مذہبی حلقے اور مراکز اور ان کے افکار کا سلسلہ چلتا رہا۔اس کی بدولت قرآن، حدیث اور فقہ کی تحقیق وتفسیر کا سلسلہ چل سکا۔اس زمانے میں بھی اظہار رائے پر پابندی کے خلاف علماء نے سختیاں اور جبر برداشت کئے۔لیکن مجموعی طور پر حکومت کی طرف سے مساجد پر کوئی جبری قانون نافذ نہ کیا گیا اور عملی اور علمی طور پر یہ ممکن بھی نہ تھا۔ورنہ اسلامی علم وفکر کے خزانے وجود میں نہ آتے۔حکومت کا فرض یہ ضرور ہے کہ اختلاف رائے پر ظلم وتشدد نہ ہونے دے اور مذہبی آزادی کے تحفظ کے لئے اس کو قواعد وضوابط اور عملی اقدامات کرنے کا پورا حق ہے اور حکومت کا یہ بھی فرض ہونا چاہیے۔لیکن جو صورت حال آج آزاد دنیا میں جاری ہے اور اسلام مذہبی تحفظ اور آزادی کا جو نظریہ پیش کرتا ہے۔اس میں عبادت گاہوں کی موجودہ زبوں حالی کی اصلاح اور حفاظت ضروری ہے لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے اظہار وخیال پر مکمل پابندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔مدیر)

یہ بات اب محتاج دلیل نہیں رہی کہ ریاست پاکستان کے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ مذہبی انتہا پسندی ہے۔ہماری بدقسمتی ہے کہ فکر وخیال اور زبان و قلم سے آگے اب یہ قتل وغارت اور دہشت گردی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔سیاست، معیشت اور معاشرت ہر چیز اس کی زد میں ہے اور ہزاروں بچے، بوڑھے اور جوان اس کی نذر ہو چکے ہیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں بالآخر لڑنے ہی کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور ہماری ریاست کو بھی غالباً ایک دن یہی کرنا پڑے گا۔پھر توبہ واستغفار بھی کرنی ہوگی کہ آئندہ ہم مذہب کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے کبھی استعمال نہیں کریں گے۔اس کی نوبت اگر آجائے تو انتہا پسندی کو اس کی جڑ سے اکھاڑنے کے لئے یہ چند باتیں مزید پیش نظر رہنی چاہئیں:

ایک یہ کہ انتہا پسندی کا یہ عفریت براہ راست آسمان سے نازل نہیں ہوا۔یہ اس مذہبی فکر کا مولود فساد ہے جو نفاذ شریعت اور جہاد وقتال کے زیر عنوان اور کفر، شرک اور ارتداد کے استیصال کے لئے ہمارے مدرسوں میں پڑھایا جا رہا ہے۔انتہا پسند افراد اور تنظیمیں اسی سے الہام حاصل کرتی ہیں اور کچھ ترمیمات کے بعد اپنے پیش نظر مقاصد کے لئے اس کو عمل کے سانچے میں ڈھال لیتی ہیں۔مذہبی فکر قرآن وحدیث کی جن تعبیرات پر مبنی ہے اُن کی غلطی دور حاضر میں اسلام کے جلیل القدر مفکرین واضح کر چکے ہیں۔علم واستدلال کے مقابلے میں ہنگامہ واحتجاج اور زور و قوت کے اظہار کا طریقہ ختم ہو جائے تو ان مفکرین کے رشحات فکر ذہنوں کو تبدیل کر سکتے ہیں۔رائج مذہبی فکر کے مقابلے میں یہ گویا ایک جوابی بیانیہ (Counter narrative) ہوگا۔لیکن پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ اُس میں دین وشریعت کی حفاظت کا یہی طریقہ رائج ہے۔تہذیب اور شائستگی کے ساتھ اختلاف رائے کی روایت بدقسمتی سے یہاں قائم نہیں ہو سکی۔یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہمارے اہل دانش اور ارباب حل وعقد مذہبی افکار کے آزادانہ اظہار کے لئے بھی اسی طرح حساس ہوں جس طرح وہ سیاسی افکار کے معاملے میں حساس ہیں اور اس آزادانہ اظہار کو روکنے کے لئے جو لوگ دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں انہیں صاف صاف بتا دیں کہ یہ دباؤ نا قابل قبول ہے۔وہ اگر اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والوں کی غلطی واضح کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے لئے بھی واحد راستہ یہی ہے کہ اُسے علم و استدلال سے واضح کرنے کی کوشش کریں۔علم کی دنیا میں ہنگامہ واحتجاج اور جبر و استبداد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔پھر یہ اہل دانش اور ارباب حل وعقد خود بھی اس بیانیہ کو سمجھنے کی کوشش کریں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔مسلمانوں کے معاشرے

میں سیکولرازم کی تبلیغ نہیں بلکہ مذہبی فکر کا ایک جوابی بیانیہ ہی صورت حال کی اصلاح کرسکتا ہے۔علامہ اقبال نے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے زیر عنوان اپنے خطبات میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی تھی۔

دوسری یہ کہ ہم کسی شخص کو یہ اجازت تو نہیں دیتے کہ بارہ سال کی عمومی تعلیم کے بغیر ہی وہ بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر یا کسی دوسرے شعبے کا ماہر بنانے کے ادارے قائم کرے۔مگر دین کا عالم بننے کے لئے اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہے۔اس مقصد کے لئے طلباء ابتدا ہی سے ایسے مدرسوں میں داخل کر لیے جاتے ہیں جہاں اُن کے مستقبل کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔قدرت نے ہوسکتا ہے کہ انہیں ڈاکٹر ،انجینئر، سائنسدان یا شاعر و ادیب اور مصور بننے کے لئے پیدا کیا ہو مگر یہ مدارس اُن کی اہلیت اور ذوق و رحجان سے قطع نظر اُنہیں عالم بنانے اور شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد زندگی کے کسی دوسرے شعبے کا انتخاب کر لینے کے مواقع اُن کے لئے ختم کر دیتے ہیں۔پھر جن کو عالم بناتے ہیں بارہ سال کی عمومی تعلیم سے محرومی کے باعث اُن کی شخصیت کو بھی ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں جس سے وہ اپنے ہی معاشرے میں اجنبی بن کر رہ جاتے ہیں۔اس غلطی کے نتائج اب پوری قوم بھگت رہی ہے۔چنانچہ ناگزیر ہے کہ دینی تعلیم کے اداروں کو بھی اختصاصی تعلیم کے دوسرے اداروں کی طرح پابند کیا جائے کہ بارہ سال کی عمومی تعلیم کے بغیر وہ کسی طالب علم کو اپنے اداروں میں داخل نہیں کریں گے۔

ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تنہا یہی اقدام اس صورت حال کو تبدیل کر دے گا جو اس وقت دینی تعلیم کے اداروں نے پیدا کر رکھی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ عمومی تعلیم کا نظام جو عبارت ہر شعبہ زندگی میں اختصاصی تعلیم کے لئے فراہم کرتا ہے وہ دین کا عالم بننے کے لئے بھی فراہم کرے۔ہماری تجویز یہ ہے کہ اس کے لئے عمومی تعلیم کے چند منتخب اداروں میں بالکل اُسی طرح ایک دینیات گروپ شروع کیا جائے جس طرح سائنس اور آرٹس کے گروپ اس وقت موجود ہیں تاکہ جو طلبہ دین کے عالم بننا چاہتے ہوں وہ اپنی تعلیم کے نویں سال سے اس گروپ کا انتخاب کریں اور اس شعبے کی اختصاصی تعلیم کے اداروں میں داخلے کی اہلیت اپنے اندر پیدا کریں۔

تیسری یہ کہ انتہا پسندی سے نجات کے لئے اُس ریاست کا خاتمہ ضروری ہے جو علماء کو جمعہ کے منبر اور مساجد سے ہمارے ملک میں حاصل ہو چکی ہے۔اہل علم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نماز جمعہ کے بارے میں جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی وہ یہ تھی کہ اُس کی امامت اور اس کا خطاب سربراہ حکومت اور اس کے اعمال کریں گے۔اُن کے سوا کوئی دوسرا شخص اگر اُن کی کسی معذوری کی صورت میں جمعہ کے منبر پر کھڑا ہوگا تو اُن کی اجازت سے اور اُن کے قائم مقام کی حیثیت سے کھڑا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ سنت پوری شان کے ساتھ قائم رہی لیکن بعد کے زمانوں میں جب حکمران اپنے اعمال کی وجہ سے اس کے اہل نہیں رہے تو جمعہ کا منبر خود انہوں نے علماء کے سپرد کر دیا۔مذہب کے نام پر فتنہ و فساد کو اصلی طاقت اسی سے حاصل ہوئی۔یہ صورت حال تبدیل ہونی چاہیے اور ہمارے حکمرانوں کو پورے عزم و جزم کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اس نماز کا اہتمام اب حکومت کرے گی اور یہ صرف انہی مقامات پر ادا کی جائے گی جو ریاست کی طرف سے اس کے لئے مقرر کر دیئے جائیں گے۔اس کا منبر حکمرانوں کے لئے خاص ہوگا۔وہ خود اس نماز کا خطبہ دیں گے اور اس کی امامت کریں گے یا اُن کی طرف سے اُن کا کوئی نمائندہ یہ ذمہ داری ادا کرے گا۔ریاست کی حدود میں کوئی شخص اپنے طور پر اس نماز کا اہتمام نہ کر سکے گا۔

اسے ہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ عام نمازوں کی مسجدیں بھی حکومت کی اجازت سے بنائی جائیں گی۔وہ کسی خاص فرقے یا مکتب فکر کی مسجدیں نہیں ہوں گی بلکہ خدا کی مسجدیں ہوں گی جہاں تنہا اُسی کی عبادت کی جائے گی۔مسجد مسلمانوں کا ایک اجتماعی ادارہ ہے،اسے افراد اور تنظیموں کے کنٹرول میں نہیں دیا جاسکتا۔چنانچہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی حکومت جہاں بھی قائم ہو وہ مسجدوں پر اپنا اقتدار پوری قوت کے ساتھ قائم رکھے اور کسی شخص کو اجازت نہ دے کہ وہ انہیں کسی تنظیم، تحریک یا کسی خاص نقطہ نظر کی اشاعت کے لئے استعمال کرے اور اس طرح خدا کی عبادت گاہوں کے بجائے انہیں مسلمانوں کے درمیان تفریق کے مراکز میں تبدیل کر دے۔

یہ اقدام ناگزیر ہے۔اس کی برکات اگر کوئی شخص دیکھنا چاہے تو اُن ملکوں میں جا کر دیکھ سکتا ہے جہاں مسجدوں کے انتظام و انصرام کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

اخلاق کی درستگی میں اُسوۂ رسول ؐ کی پیروی اللہ کے قرب کا ذریعہ

عثمان منصور (واعظ)

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول صلعم میں ایک نیک نمونہ ہے۔ اس لئے جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن کی اُمید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے'' (سورۃ الاحزاب 33:21)۔

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اُمتیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔'' (سورہ الجمعہ 62:2) پھر آگے آپ کے اخلاق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''بے شک آپ ؐ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔''

حضرت سرور کائنات محمد صلعم کی سیرت طیبہ اور اخلاق عالیہ اور آپ صلعم کی بلند ترین شخصیت نے ایک ایسا انقلاب عظیم دنیا میں پیدا کیا جس نے نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ ایران روم اور یورپ کی انتہائی وادیوں تک گناہوں، بدکاریوں اور جہالت میں گری ہوئی دنیا کو نہ صرف نیکی اور پاکیزگی عطا کی بلکہ علم وحکمت کی دولت سے مالا مال بھی کر دیا۔ گویا آپ یقین جانیں کہ آنحضرت صلعم نے ایک مردہ دنیا کو دوبارہ زندہ کیا۔ جو لوگ اندھے تھے اُن کو روشنی عطا فرمائی۔ جو لنگڑے تھے وہ بھی آپ ؐ کے آنے سے تندرست ہو کر چلنے لگے۔ یہ وہ انقلاب عظیم ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہ پہلے نظر آئی اور نہ آئندہ کبھی مل سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ''اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو پھر تم رسول کریم صلعم کی مکمل پیروی کرو۔''

رسول کریم صلعم کا ورثہ ایک قرآن مجید ہے اور اس کی تعلیم اور اس پر عمل کرنا اور دوسرا اُسوہ حسنہ پر عمل کرنا ہے۔ اور جب تک کوئی رسول کریم صلعم کو ماننے والا۔ ان دو چیزوں پر مکمل عمل نہیں کرتا وہ ترقی نہیں کر سکتا۔ وہ صحیح مسلمان بھی نہیں بن سکتا۔ اسلام کی جو آج کل حالت ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ نہ قرآن پر عمل کیا جاتا ہے اور نہ رسول کریم صلعم کے اسوہ حسنہ پر۔ ہر خوبی کا کمال اور ہر حسن کی انتہاء آپ ؐ کی ذات ہے۔ خدا نے اگر انہیں رحمتہ العالمین کہا ہے تو اسی سے اندازہ کیجئے کہ پیدا کرنے والے نے کون کونسا کمال اور فخر آپ ؐ کی ذات میں نہیں رکھا ہوگا۔ خدا خود سراپا جمال ہے اسی لئے وہ ہر نیکی کو پسند کرتا ہے اور ہر بدی سے کراہت کرتا ہے اور پھر کسی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا: ''حضور اکرم صلعم کے اخلاق کیسے تھے؟'' انہوں نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن مجید کو نہیں پڑھا؟ جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ حضرت محمد صلعم کے اخلاق تھے'' غرض آپ سرکار دو عالم ؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور یہ بھی آپ ؐ کا ایک معجزہ ہے کہ خود قرآن مجید نے اس کی شہادت دی اور کہا ' انك لعلی خلق عظیم''

یعنی بے شک اے محمد ؐ آپ حسن اخلاق کے بڑے اعلیٰ رتبہ پر ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلعم کی زندگی ہر قسم کے اور ہر طرح کے اخلاق کا مکمل مجموعہ ہیں اور ایک مسلمان کے لئے اگر عملی زندگی میں تعلیم قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں آنحضرت صلعم کی زندگی میں موجود تھے۔ آپ صلعم کی عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھیں۔ گویا نیکی سے محبت اور اخلاق فاضلہ آپ ؐ کی فطرت میں ودیعت کئے گئے تھے۔

اخلاق اصل میں خلق کی جمع ہے اور یہ انسان کی اندرونی بناوٹ ہے۔ بمقابلہ خلق کے جو لفظ سے ظاہری یا جسمانی بناوٹ پر بولا جاتا ہے۔ دوسری جگہ اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ اخلاق خلق کی جمع ہے۔ جس کے معنی عادات راسخہ یعنی انسان کے مزاج کی ایسی کیفیت جس سے اعمال تردد اور فکر کے بغیر سہولت کے

ساتھ سرزد ہوں۔

انسان کے اعلیٰ اوصاف کو اخلاق حسنہ یا اخلاق جمیلہ کہا جاتا ہے اور اسی طرح انسان کے بُرے اوصاف کو اخلاق رذیلہ کہا جاتا ہے۔ انسان نے مجموعی طور پر ان اوصاف کو بُرا جانا ہے۔ انسانی اخلاقیات اچھی ہوں یا بُری وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں اور شروع سے انسان جانتے چلے آرہے ہیں۔ انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف کو پسند اور بعض کو ناپسند کیا ہے۔ تمام مذاہب کی تعلیم کیا تھی۔ صرف یہی تھی کہ اخلاق کو اچھا کرو۔ دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ جتنے رسول، پیغمبر، نبی لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے آئے سب کی تعلیم تھی کہ سچائی اچھائی ہے اور جھوٹ بُرائی ہے۔ انصاف بھلائی ہے اور زیادتی بُرائی ہے۔ سخاوت نیکی ہے اور چوری بدی ہے۔ بدخلقی کیا ہے مثلاً چوری، غیبت، چغل خوری، کسی کی بُرائی کرنا، کسی پر جھوٹ بات کا لگانا، رشوت لینا، زنا کرنا، کسی سے غصے سے بات کرنا اور اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کرنا وغیرہ۔ یہ سب بدخلقی میں شامل ہیں۔

کسی مددگار کی مدد کرنا، ہمیشہ سچ بولنا، برائی سے بچنا، ہر کسی کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرنا، کسی بھی انسان کو حقیر چھوٹا نہ جاننا، کیونکہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، چھوٹوں پر رحم کرنا، بڑوں کی عزت کرنا، اگر برائی ہوتے دیکھوں تو اسے روکو، غریب لوگوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ اچھے اخلاق میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم صلعم کے اخلاق بہت ہی بلند تھے اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ آنحضرت صلعم کی پیروی کرتے ہوئے اعلیٰ درجہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی انسان معزز ہے جس انسان کے اخلاق اچھے ہیں۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان اور عمل صالح یعنی اخلاق فاضلہ کو اکٹھا بیان فرمایا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے وہی لوگ جنت کے وارث ہوں گے اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہی انسان کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور انسان برائیوں سے رکتا اور نیکی کرنے کی ترغیب پاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں عبادت بجا لانے کا ذکر آتا ہے وہاں ان عبادات کی غرض وغایت ہی اخلاق بیان فرمائے ہیں اور نماز کا فلسفہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ بُری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے اور زکوٰۃ کا مقصد بنی نوع انسان سے شفقت اور ہمدردی کرنا ہے۔ حج کے بے شمار مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی سرکش اونٹنی کو رضاء الٰہی کے حصول کے لئے ذبح کرے اور جو انسان اپنے نفس کی سرکش اونٹنی کو رضاء الٰہی کے لئے ذبح کر لیتا ہے یا جو انسان اپنے سرکش نفس پر قابو پالیتا ہے وہ اچھائی کے راستہ پر تیزی سے گامزن ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ امام مالک ایک حدیث میں بیان فرماتے ہیں:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ اخلاق کی خوبیوں کو پورا کردوں۔'' (موطا)

اس حدیث سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ رسول خدا صلعم کو نبی بنا کر بھیجے جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف انبیاء اسی لئے بھیجے کہ اُن کے عقائد واعمال کی اصلاح کریں۔ انہیں برائیوں سے ہٹا کر اچھائیوں کی طرف لائیں، یا دوسرے الفاظ میں ان کے نفس کا تزکیہ کریں اور کسی کے نفس کا تزکیہ کرتے ہوئے اس کے اخلاق کی اصلاح ایک اہم جز ہے اور حضرت نبی کریم صلعم کو اس لئے بھیجا گیا کہ آپؐ انسانوں کو اخلاق کی ہر خوبی سے آگاہ فرمادیں۔ پھر ترمذی کی ایک حدیث سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم کو فرماتے سنا:

''قیامت کے دن اعمال تولنے والی ترازو میں جو چیز رکھی جائیں گی اُن میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی اور اچھے اخلاق والا اپنے

حسن اخلاق کے باعث روزہ دار اور نمازی کے درجے کو پالیتا ہے۔(ترمذی)

اس حدیث میں حضور اکرم صلعم نے اخلاق کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے مقصد اچھے اخلاق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ ویسے قرآن وحدیث دونوں کی روح سے سب سے زیادہ اہمیت توحید و رسالت، الہامی کتب اور آخرت وغیرہ پر ایمان رکھنے کو ہے۔ ایسے ہی اچھے اخلاق والے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ روزہ دار اور نمازی کے درجے کو پالیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان فرض روزہ اور فرض نماز کو چھوڑ کر اپنے اخلاق کو اچھا کرے تو وہ روزے اور نماز کی کمی کو پورا کرے گا۔ جو اصل مراد ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان بہت نفل نمازیں پڑھتا ہو اور نفل روزے رکھتا ہو تو جو اجر اس کو ملے گا وہ اجر اس شخص کو بھی مل جائے گا جو اپنے اخلاق کو اچھا کرے گا۔ اگرچہ بہت نفل عبادت نہ کرے۔ باقی فرض نماز اور فرض روزہ تو بے حد ضروری ہے اور انہیں اگر بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑا جائے گا تو یہ کمی حسن اخلاق سے بھی پوری نہیں ہو سکے گی۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''کہ مومن اپنے حسن اخلاق کے باعث اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو (دن کے وقت) روزہ رکھتا اور (رات کے وقت) عبادت کرتا ہے۔ اچھا کام بھی اخلاق ہی ہے۔''

البر حسن الخلق ''اچھے اخلاق کا نام نیکی ہے''

اس کا مطلب تو یہی ہے کہ راستے سے پتھر یا کانٹا ہٹانا بھی نیکی ہے تو پھر ہمیں انسانوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

بخاری کی حدیث ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا: ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً ''تم میں سے بہترین وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کی تخلیق اور اخلاق دونوں اچھے بنائے ہوں تو دوزخ کی آگ اُن کو نہیں کھائے گی۔ میزان میں جو چیز پہلے وزن کی جائے گی وہ حسن خلق اور سخاوت ہوگی۔ تمام اعمال میں حسن خلق کو سخاوت سے تقویت دی اور کفر کو بخل اور بدخلقی سے تقویت دی۔ بدخلقی عمل کو ایسا بگاڑتی ہے جیسے شہد کو سرکہ۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا: ''حضور صلعم ایمان کے اعتبار سے افضل کون ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا'' جو اخلاق میں احسن ہو (اچھا ہو)''

حضور صلعم دعا مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ! تو نے میری تخلیق اچھی کی۔ میرا خلق بھی اچھا کر دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تندرستی اور حُسن اخلاق کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے بہتر سے بہتر اخلاق کی راہنمائی کر۔ تیرے سوا کوئی بہتر سے بہتر اخلاق کی راہ نہیں دکھاتا۔ اور بُرے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے۔ تیرے سوا بُرے اخلاق کو کوئی نہیں پھیر سکتا۔

اب ذرا غور کر کے دیکھیں کہ ایک کائنات کا بادشاہ جب خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ تو یہی مانگتا ہے کہ اے میرے رب میرے اخلاق کو اچھا کر دے۔

اسلام کے نزدیک اخلاق صرف ظاہری اعمال سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کا تعلق دل سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اعمال کا سرچشمہ دل ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الانعام 6:151 میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ''اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ۔ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں۔''

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخلاق کا تعلق صرف ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اُن اعمال سے بھی ہے جس کا مرتکب دل ہوتا ہے گو اُن کو معلوم کرنے کا طریقہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کے دل میں کیا کیا خیالات موجزن ہیں اور وہ کیا کیا برائیاں اپنے دل کے پردوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو کسی عمل کی اچھائی یا بُرائی کا دارومدار دل کے خیال پر مبنی ہے اور اگر خیال اچھا ہے تو اس کا اجر بھی اچھا ملے گا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسول کریم صلعم فرماتے ہیں:

''سنو! جسم میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا جسم

درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔سنو! وہ دل ہے''

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ بُری باتوں اور بُرے کاموں سے بچنا ضروری ہے اور جب انسان کا دل درست ہو یعنی خدا کے سامنے جھکا ہوا ہو تو وہ درست ہوتا ہے۔ یہ تو اسلام کی تعلیم تھی مگر آج یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے لوگ ناجائز امر کو جائز بنانے کے لئے حیلے تلاش کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

ترجمہ: ''جس نے نفس و دل کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگا۔''

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے دل کو پاک کیا۔''

جو لوگ دل کی پاکیزگی کی طرف توجہ نہیں دیتے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے اور نہ ہی اُن کے اخلاق اچھے ہو سکتے ہیں۔ مسلمان ایک دیوار یا عمارت کی طرح ہیں۔ جس میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جس نے جھوٹ کو چھوڑ دیا۔ اس کے لئے بہشت کے گرد و نواح میں گھر بنایا جائے گا۔ اور جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔ اُس کے لئے بہشت کے وسط میں گھر بنایا جائے گا اور جس نے اپنے اخلاق کو اچھا بنا لیا اس کے لئے بہشت کے اوپر والے حصے میں گھر بنایا جائے گا۔ (ترمذی)

اچھے اخلاق میں تمام صفات آ جاتی ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آدمی حُسن خلق کی بدولت جنت کے اعلیٰ درجہ کو حاصل کر لیتا ہے اور بد خلق کے باعث دوزخ کے نچلے طبقہ کو پہنچ جاتا ہے پھر یحییٰ بن معاذؓ کا قول ہے:

''حسن خلق روزی کا خزانہ ہے''

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''سخاوت و حسن خلق سے اعلیٰ درجات ملتے ہیں اور ایمان کا کمال حسن خلق ہے۔''

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ 26 مارچ 1908ء کو ملفوظات جلد 10 کے صفحہ نمبر 198 میں فرماتے ہیں:

''اگر انسان تکبر چھوڑ دے۔ اخلاق اور انکساری سے پیش آوے تو یہ ایک بھاری معجزہ ہوتا ہے۔ اخلاقی معجزہ ہمیشہ اپنے اندر ایک زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ پھر جیسے کہ درخت اپنے پھل سے پھولتا جاتا ہے۔ سچی تعلیم اور پاک ایمان کا اثر اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ درجہ کمال کے دو ہی حصے ہیں: (۱): ایک تعظیم لامر اللہ (۲): شفقت علی خلق اللہ۔ پہلے امر کا تعلق تو دل سے اور خدا سے ہوتا ہے۔ جس کو یکایک پر کوئی نہیں جان سکتا۔ دوسرا پہلو چونکہ خلقت سے تعلق رکھتا ہے اور اوّل ہی اوّل انسان کی نظر انسانی اخلاق پر پڑتی ہے۔ اس واسطے اس خلق کا کمال ایک بڑا بھاری اور شاندار معجزہ ہے۔ دیکھو آنحضرت صلعم کی زندگی میں ایسے کئی ایک نمونے پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں نے محض آپؐ کے اخلاقی کمال کی وجہ سے اسلام کو قبول کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشرک عیسائی مہمان آیا۔ صحابہؓ اُس کو اپنا مہمان بنانا چاہتے تھے مگر آنحضرت صلعم نے فرمایا نہیں یہ میرا مہمان ہے۔ اس کا کھانا میں لاؤں گا۔ چنانچہ اس مشرک کو آنحضرت صلعم نے اپنے ہاں مہمان رکھا اور اس کی خاطر کی، عمدہ عمدہ کھانے اس کو کھلائے اور عمدہ مکان اور اچھا بستر اس کو رات بسر کرنے کے واسطے دیا مگر وہ کھانا زیادہ کھانے کی وجہ سے اس کا پیٹ خراب ہو گیا۔ رات بھر اسی کوٹھری میں رفع حاجت کرتا رہا۔ مکان اور بستر خراب کر دیا۔ صبح منہ اندھیرے ہی شرم کے مارے اُٹھ کر چلا گیا۔ جب آنحضرت صلعم نے تلاش کرنا شروع کیا اور وہ نہ ملا تو بہت ہی افسوس کیا اور کپڑے جو نجاست سے آلودہ ہو گئے تھے خود اپنے دست مبارک سے صاف کر رہے تھے کہ اتنے میں مہمان واپس آ گیا کیونکہ وہ اپنی ایک بیش قیمت صلیب بھول گیا تھا۔ اس کو آتے دیکھ کر آنحضرت صلعم بہت خوش ہوئے اور اس سے کوئی اظہار رنج نہیں فرمایا بلکہ آپؐ نے اُس کی مدارات اور خاطر کی اور اس کی صلیب نکال کر اس کو دے دی۔ وہ شخص اس واقعہ سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ کے علاوہ اور بھی اس قسم کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق موجود ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اخلاقی معجزہ صداقت کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ فرماتے ہیں:

’’دنیا میں اس زمانہ میں نفاق بہت بڑھ گیا ہے۔ بہت ہی کم ہیں جو اخلاص رکھتے ہیں۔ اخلاص اور محبت شعبہ ایمان ہے۔ اخلاق فاضلہ اسی کا نام ہے۔ بغیر کسی معاوضہ کے خیال سے نوع انسان سے نیکی جاوے۔ اس کا نام انسانیت ہے۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں بیٹھنے والے لوگوں کی ہے اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

اُن دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتا ہے۔ صفاتِ حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے دو ہی حصے ہیں اور وہی قرآن شریف کی پاک تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب ہیں اول یہ کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں عبادت کرنا، فسق و فجور سے بچنا اور کل محرمات الٰہی سے پرہیز کرنا کہ جن باتوں سے روکا جائے ان سے بچنا اور اچھے کاموں میں جن کا حکم ہوا ہے ہمیشہ آگے رہنا۔ دوم یہ کہ حقوق العباد ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور بنی نوع انسان کے حقوق بجا نہ لانے والے خواہ حقوق اللہ کو ادا کرتے ہی ہوں۔ بڑے خطرے میں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ستار ہے، غفار ہے، رحیم ہے اور حلیم ہے اور معاف کرنے والا ہے۔ اُس کی عادت ہے کہ اکثر معاف کر دیتا ہے مگر بندہ کچھ ایسا ہے کہ کبھی کسی کو کم ہی معاف کرتا ہے۔

پس اگر انسان اپنے حقوق معاف نہ کرے۔ تو پھر وہ شخص جس نے انسانی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو یا ظلم کیا ہو، خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں کوشاں ہی ہو اور نماز، روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کی پابندی کرتا ہی ہو مگر حقوق العباد کی پرواہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کے اعمال ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ غرض مومن حقیقی وہی ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پورے التزام اور احتیاط سے بجا لاوے۔ جو دونوں پہلوؤں کو پوری طرح سے مدِ نظر رکھ کر اعمال بجالاتا ہے۔ وہی حقیقی مومن ہے۔

☆☆☆☆

نعت رسول مقبولؐ

از: عامر عزیز (امام برلن)

چاند دو ٹکڑے ہوا ان کے اک اشارے سے

بن گیا صحرا نخلستان ان کے اک اشارے سے

وہ رحمت للعالمین سکھایا جس نے سبق اقراء کا

سراج منیر نے نکالا ہمیں جہالت کے اندھیارے سے

علم و عرفان کے دیئے جلائے ایسے تو نے

کرنیں پھوٹیں ضیاء کی ، فلک کے کنارے سے

حرمت انسان و حرمت جان منشور جس کا

اصحاب بن گئے نجوم اس کے مبارک سہارے سے

جان و دل فدا اس محسن عظیم پہ عزیزؔ

نکالا جس نے وجود فانی کو فنا کے دھارے سے

☆☆☆☆

برلین مسجد کی زیارت

از گروپ کیپٹن (ریٹائرڈ) احمد نواز صاحب، امریکہ

(متن تقریر جو برلین مسجد میں پہلی تین روزہ یورپی لاہور احمدیہ کنونشن میں شرکت سے واپسی پر مسجد اوکلینڈ، امریکہ میں صد سالہ قرآن مجید انگریزی ترجمہ حضرت مولانا محمد علی کی تقریب کے موقع پر کی گئی۔ حامد جمیل صاحب نے اس آڈیو تقریر کو پیغام صلح کے لئے قلمبند کیا۔ شکریہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں برلین مسجد کے سفر کے متعلق بات کروں گا۔ آج پندرہ تاریخ ہے اور خوش قسمتی ہے کہ آج ہم اس مسجد میں جمع ہیں اور اس مسجد کی رونق کا موجب بن رہے ہیں۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں اپنا سفرنامہ بیان کروں جب میں پچھلے مہینے کے شروع میں برلین گیا اور واپسی پر مجھے ووکنگ لندن بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ برلین جانا میرے لئے بہت خوش قسمتی اور خوشی کا باعث بنا کیونکہ دعوت نامہ تو وہیں سے آیا تھا لیکن مجھے اس عمر میں سفر کرنا مشکل لگ رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمت دی اور پھر ناصر احمد صاحب کا دعوت نامہ بھی آیا کہ آپ نے لندن بھی آنا ہے۔ آج کل اسلامک فوبیہ کی وجہ سے کچھ سفر کرنے میں بھی گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے میرے لئے اسباب بنتے گئے اور کہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

برلین مسجد کے متعلق ہم بچپن سے سن رہے تھے۔ لیکن جب دیکھا تو میرے لئے ایک بڑا اچھا روحانی واقعہ ثابت ہوا اور ماضی کی ساری کہانیاں آنکھوں کے سامنے آنے لگیں جو ہمارے مبلغین واپس آکر بیان کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پھر ان کا نظارہ سامنے نظر آنے لگا۔

برلین مسجد جیسے کہ آپ سب جانتے ہیں 1922 میں تعمیر ہونی شروع ہوئی۔ اس سے پہلے پہلی جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ پیسہ اتنا عام نہیں تھا جیسا کہ آج ہے۔ ہمارے لوگوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ جب چندے ختم ہو گئے تو خواتین نے خاص طور پر اپنے زیورات پیش کیے۔ چوہدری سعید احمد صاحب جو ایک لمبے وقت تک یہاں امام تھے اور میرے ان سے انتہائی برادرانہ تعلقات ہیں۔ انہوں نے یہاں 16 سال امامت کی۔ پہلی جنگ عظیم میں امریکن بمباری کے دوران اس مسجد کے مینار زخمی ہو گئے اور اندر بھی کافی نقصان ہوا۔ کیونکہ یہاں جرمن فوج نے فوجی پوسٹ بنالی تھی۔ اس وقت سے ہماری انجمن کی کوشش رہی تھی کہ اس کو اچھی حالت میں لایا جائے۔ شروع شروع میں جب چندے کی اپیل ہوئی تو کوئی 61ہزار مارک جمع ہوئے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری چھوٹی سی جماعت ہے مگر چھوٹی سی جماعت بہت بڑے بڑے کام کرتی رہی ہے اور انشاء اللہ آگے بھی یہی مشن یورپ میں آؤٹ پوسٹ کے طور پر کام کرتا رہے گا۔ اس سے پہلے ووکنگ میں تقریباً پچاس سال تک اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی اور وہاں سے بھی اسلام کا ایک انتہائی موثر پیغام دنیا کو جاتا رہا اور یہاں سے بھی اللہ کے فضل سے اسی طرح ہو رہا ہے۔

میں جب وہاں مسجد میں تھا تو وہاں پر مجھے ان مبلغین کی بہت یاد آئی جو ہماری جماعت کے لئے یہاں کام کرتے رہے۔ اندازہ کریں کہ کسی کو ٹکٹ دے دیا جائے اور کہا جائے کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ اور تبلیغ اسلام کرو۔ تو آپ سو سوال پوچھیں گے۔ مگر یہ لوگ بیوی بچوں کو چھوڑ کر خاموشی سے چلے جایا کرتے تھے۔ جن جن تکالیف سے ہمارے مبلغ گزرے ہیں آپ ان کا

اندازہ نہیں کر سکتے۔ میں فجی کا ذکر سب سے پہلے کروں گا وہاں مرزا مظفر بیگ ساطع صاحب گئے۔ احمدیہ بلڈنگ لاہور کے بالکل سامنے انجمن حمایت اسلام کا دفتر تھا۔ ان کو جب وہاں سے مبلغ کی درخواست آئی تو انہوں نے وہ درخواست ہماری انجمن کو بھیج دی کہ آپ لوگ کوئی مبلغ بھیج دیں۔ کیسے چند لوگوں نے جا کر جن میں حضرت مولانا احمد یار صاحب اور حافظ شیر محمد صاحب تھے کتنا بڑا اسلام کا غیر ممالک میں نمونہ چھوڑا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ہر مبلغ پر کتاب لکھی جائے۔ مجھے اپنے کزن چوہدری سعید احمد صاحب کا وقت یاد ہے انہوں نے سترہ سال تک برلین میں خدمت کی اور دال چاول کھا کر گزارہ کیا۔ دو سال تک دانت کے درد کو برداشت کرتے رہے علاج اس لئے نہ کروا سکے کیونکہ ان کی انشورنس نہ تھی۔ انجمن کبھی تنخواہ بھیج دیتی اور کبھی کافی دیر سے۔ یہ فرشتہ صفت لوگ تھے۔ 17 سال میں انہوں نے 57 جرمن لوگوں کو مسلمان کیا۔ اسی طرح اگر آپ ووکنگ مشن کو دیکھیں تو شروع میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب تو صاحب حیثیت تھے۔ لیکن لگن، محنت اور وسیع پیمانے پر تبلیغ کا کام انگلستان میں کیا۔ ان کا اپنا سرمایہ جلد ختم ہوگیا۔ یہ کام بڑے مالی وسائل چاہتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب اور بعد میں آنے والے مبلغین نے انتہائی تنگدستی میں اس عظیم الشان کام کو سرانجام دیا۔ جس کو آج تک دنیا تعجب سے دیکھ رہی ہے اور اس کے متعلق محقق تفصیلات اکٹھی کر رہے ہیں۔ مبلغین نے پیسہ کم ہونے کی وجہ سے بہت مشکلات دیکھیں۔ اہل وعیال بھی تکالیف میں رہے۔ اشاعت اسلام کا کام بھی کرنا ہوتا تھا۔ میٹنگز میں بھی شمولیت کرنی ہوتی تھی۔ کافی عرصہ تک حضرت مولانا صدرالدین صاحب جیسے لوگ مچھلی کے سرے کو جو سب سے سستے ملتے تھے۔ ان کو ابال ابال کر سوپ بنا کر پیا کرتے تھے اور صرف ڈبل روٹی اور انڈے پر گزارا ہوتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے کوئین وکٹوریا کو نیک دل عورت کے طور پر لکھا۔ آج کل ایک فلم ''عبدل اور وکٹوریا'' سینما گھروں میں دکھائی جا رہی ہے جو اس منشی سے متعلق ہے جو ملکہ کو اُردو سکھانے کے لئے ہندوستان سے آیا تھا اور وہ اپنی نیکی اور اخلاص کی وجہ سے ملکہ کے انتہائی قریب ہوگیا اور اس نے ہندوستان اور مسلمانوں کے متعلق ملکہ کے خیالات کو بدل دیا۔ ملکہ نے اس منشی سے قرآن بھی پڑھنا سیکھا۔ اس سے پہلے حضرت مرزا صاحب کے خطوط اس تک پہنچ چکے تھے۔ یہ منشی حافظ قرآن تھا۔ اُردو کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بھی باتیں ملکہ کو سناتا رہتا تھا۔ یہ سب کچھ فلم میں نہیں دکھایا گیا کیونکہ انگریز لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ برطانیہ کی فوجیں مصر میں مہدی سوڈانی کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ ترکوں کے خلاف بھی سلسلہ جاری تھا۔ مگر وہ ایسی خاتون تھیں جس نے اسلام کی مخالفت نہیں کی۔ آج ہر مسلمان سفر کرتے ہوئے ڈرتا ہے لیکن اس عورت نے ایسے حالات کبھی پیدا نہیں ہونے دیئے۔ حالانکہ وہ ایک بڑی طاقت ور شخصیت کی مالک تھی۔

اب ہم برلین چلتے ہیں۔ یہ بڑا صاف ستھرا اور خوبصورت تاریخی شہر ہے۔ ہماری مسجد بھی ایک عمدہ جگہ پر بنی ہوئی ہے۔ اب تو اس شہر میں اور بھی کافی مساجد بن گئیں ہیں۔ برلین میں زیادہ تر ترک مسلمان ہیں۔ برلین ایسا شہر ہے جہاں پر آزادی کا ماحول ہے۔ جرمن قوم خود بہت آزاد طبع ہے۔ ایک دو سال پہلے جرمنی میں جو سال نو منایا گیا اس میں مسلمانوں نے شراب وغیرہ پی رکھی تھی اور عورتوں سے بدتمیزی بھی کی۔ اس کے بعد جرمن قوم میں ان کے متعلق نفرت سی پیدا ہوگئی ہے۔ جرمنی میں موجودہ مالی مشکلات سے ہمیں یہ نقصان ہوا ہے کہ ہماری مسجد کو قدیم عمارات کے تحفظ کے لئے محکمہ جو پہلے مرمت کے لئے اخراجات کا 80% حصہ دیتا تھا اب اس نے کم کر کے 20% کر دیا ہے۔ بہرحال سلیمہ فاروقی ٹرسٹ، پاکستانی احباب وخواتین جماعت اور بیرونی جماعتوں کے عطیہ جات سے اب تک مرمت کا بنیادی کام خدا کے فضل سے مکمل ہو چکا ہے۔ عطیہ جات میں امریکہ جماعت

کے عطیہ جات بھی شامل ہیں۔

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی اپیل نے بہت اثر دکھایا۔ موجودہ مرحلہ کے مرمت کے اخراجات کی رقم کو ستمبر کے آخر تک جمع کروانا تھی اور اللہ کے فضل سے لوگوں نے بہت دل کھول کر عطیہ جات دیئے۔ اس میں سرینام کے لوگوں نے بھی قابل قدر جذبہ دکھایا۔ اس کے علاوہ صرف امریکہ کے ایک شخص نے پچاس ہزار ڈالر کا عطیہ دیا۔ اور اسی طرح باقی لوگوں نے بہت جذبہ دکھایا ہے۔ اللہ کے فضل سے کیلیفورنیا جماعت تیسری پوزیشن پر ہے۔ میں کہوں گا کہ آپ قربانی اور محبت کے اس کام کو جاری رکھیں۔ ماشا اللہ ہماری جماعت کے بہت سے احباب ایسے کاموں میں پیچھے نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں برکت ڈالے۔ ابھی بھی ہمیں برلن مشن کے لئے مزید مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ وہاں ہمیں ایک قابل امام مل گیا ہے جو کہ اچھے طریقے سے کام کر رہا ہے۔ مختلف ملکی اور غیر ملکی مذہبی تنظیموں سے رابطہ بڑھ رہا ہے۔

میں جب برلین سے واپس آ رہا تھا تو حضرت امیر نے فرمایا کہ آپ ووکنگ مسجد ضرور جائیں۔ میں نے انہیں کہا کہ 18 کی رات کو میں لندن پہنچوں گا اور 19 کی دوپہر کو مجھے ہیتھرو ائیر پورٹ پہنچنا ہے۔ وقت بہت کم ہے مگر اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ جس فلائٹ میں میں نے برلین سے لندن سفر کرنا تھا اسی فلائٹ سے ووکنگ کے محترم اظہر الدین احمد صاحب بھی سفر کر رہے تھے۔ وہ برلن مسجد گئے ہوئے تھے انہوں نے میرا بہت خیال رکھا۔ اظہر میاں مجھے لندن میں حماد احمد صاحب کے گھر کی بجائے اپنے گھر ووکنگ لے گئے۔ رات کو انہوں نے پوچھا کہ آپ ووکنگ دیکھنا چاہئیں گے تو میں نے کہا کہ یقیناً۔ چنانچہ ہم دوسری صبح مسجد شاہجہان دیکھنے چلے گئے۔ اس مسجد کو ایک یہودی عالم ڈاکٹر جی ویلیم لائٹنر نے بنوایا تھا۔ اس شخص نے گورنمنٹ کالج لاہور اور پھر پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ ایک دن میں ڈان اخبار پڑھ رہا تھا تو اس میں لکھا تھا کہ لوئر مال کا نام ڈاکٹر لائٹنر رکھ دیا جائے تو اس کی مولویوں نے بڑی مخالفت کی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے بہت چھوٹی عمر میں ترکی اور عربی زبان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ ایک سال کے اندر اندر اس زبان میں بات چیت کرنے لگ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے متعدد کئی یورپین زبانیں بھی سیکھ لیں۔ ان کو انگلستان سے تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لئے انڈیا بھیجا گیا۔ انہوں نے وہاں اُردو زبان سیکھی اور اسلامک ہسٹری اُردو میں لکھنے کی کوشش کی۔ پندرہ سال کی عمر میں برطانوی فوج میں ان کو کرنل کا رتبہ دے دیا گیا۔ یہ سپیشل سرفسز کے لوگ تھے۔

ڈاکٹر صاحب جب انڈیا سے واپس آنے لگے تو انہوں نے سوچا کہ وہ انگلینڈ جا کر ہندوستانی طلباء کے لئے ایک ایشائی ادارہ بنائیں جس میں ایشائی زبانیں اور ان کے مذاہب سکھانے کا اہتمام ہو۔ اس میں ہندوستان سے مسلمان، عیسائی اور ہندو طلباء کو اعلیٰ تعلیم دی جائے اور ان کے مذہبی عبادات ادا کرنے کے لئے عبادت خانے بھی تعمیر کروائے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک مسجد، ایک گرجا، ایک یہودی عبادت گاہ اور ایک مندر تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لئے انہوں نے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ مسجد کے لئے ریاست بھوپال کی مسلمان فرمانرواں شاہجہان بیگم نے گرانقدر عطیہ دیا۔ جس سے فوری طور پر مسجد تعمیر کرنا ممکن ہو گیا۔ عربی اور انگریزی زبان میں ایک علمی رسالہ بھی جاری کیا۔ یہ بات 1888 کی ہے۔ یہ شخص ہنگری کا باشندہ تھا اور یہودی خاندان سے تھا اس کے بعد عیسائی ہو گیا۔ مگر جتنا کام اسلام اور تعلیم کی ترویج کے لئے اس نے کر دیا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ لیکن ابھی مسجد بنائی ہی تھی کہ اس کی وفات ہو گئی۔ اس کا بیٹا جو کہ لاہو میں پیدا ہوا تھا اس کو علمی کام سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ مسجد میں خاص موقعوں پر ہی نماز ہو جاتی تھی۔ 1912 میں جب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب انگلستان آئے تو انہوں نے یہ مسجد ڈھونڈی تو دیکھا کہ مسجد اجاڑ پڑی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 54)

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد، ایم۔اے

برلین مسجد میں سرگرمیاں

رپورٹ ماہ نومبر 2017ء

از: عامر عزیز، ایم اے (امام، برلین مسجد)

بائیبل کے پہلے ترجمہ کی پانچ سو سالہ تقریب

یکم نومبر۔ برلین کی رومن کیتھولک اکیڈمی نے بائیبل کے پہلے ترجمہ کی 500 سالہ تقریب کا اہتمام کیا۔ اس دن جرمنی میں چھٹی تھی تاکہ اس تقریب کو پورے جوش و خروش سے منایا جائے۔ امام مسجد برلین کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر عامر عزیز صاحب نے قرآن مجید کے پہلے ترجمہ بمعہ تفسیر کا بھی تفصیل سے ذکر کیا کہ یہ کسی مسلمان کا انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا جو انگلستان سے بائیبل کی طرح بائیبل پیپر پر طبع ہوا اور اس کے مترجم اور مفسر حضرت مولانا محمد علیؒ تھے جن کے ترجمہ نے یورپ میں جلد ہی اپنی علمی اور تحقیقی خوبیوں کی وجہ سے خاص مقام حاصل کر لیا۔ اس میں اسلام پر عیسائی مفکرین کے اعتراضات کا نہایت مدلل جواب بھی دیا گیا۔

سرینام سے جماعت کے ایک نہایت جوشیلے اور علم دوست عباس صبور علی صاحب مرحوم کی فیملی کی تشریف آوری

12 نومبر۔ مرحوم عباس صبور علی صاحب سرینام جماعت کے ایک سرگرم رکن تھے اور انہوں نے اُردو اور ڈچ زبان میں متعدد مضامین اور کتابچے شائع کئے اور ان کی بیگم صاحبہ جمیلہ صبور علی صاحبہ سرینام کے ریڈیو پاراماریبو پر کافی عرصہ تک پروگرام کرتی رہیں۔ مرحوم صبور علی صاحب کچھ عرصہ تک سرینام جماعت کے ڈچ رسالہ النور کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ابھی حال میں ان کے ایک پوتے ایمسٹرڈیم جماعت کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔

بین الاقوامی تنظیم برلین کا بتیسواں اجلاس

13 نومبر۔ اس دن شرلاٹن برگ ڈسٹرکٹ کے میئر کی سرکردگی میں بین المذاہب تنظیم کا 32واں اجلاس ہوا۔ امام برلین مسجد نے مسجد کی سرگرمیاں اور تحریک احمدیت کی اس سلسلہ میں کارگزاری کی تفصیل بتائی۔ اجلاس میں ایجنڈے پر ممبران نے اپنی آراء کا اظہار کیا۔

بی بی سی ریڈیو کے نمائندے کا انٹرویو

14 نومبر۔ بی بی سی کے نمائندے نے امام برلین مسجد کا انٹرویو ریکارڈ کیا جس میں زیادہ تر گفتگو جرمنی میں مسلمانوں کی حیثیت پر ہوئی۔ خاص طور پر موجودہ مہاجرین کے بارے میں مسائل پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ نمائندہ اس موضوع پر دیگر احباب سے بھی انٹرویو لیں گی اور پھر اس کو نشر کیا جائے گا۔

اوٹو رنٹ اوبرشولے زینٹ ایز سکول کے طلباء کی آمد

16 نومبر۔ اس سکول کے طلباء اور استاد برلین مسجد تشریف لائے۔ ان میں شام اور افغانستان سے طلباء بھی تھے۔ مسجد کے متعلق تعارف کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ طلباء نے ماشاء اللہ دین اور تحریک احمدیت کے بارے میں کافی دلچسپی لی۔ بعد میں

مسلمان طلباء نے باجماعت نماز ادا کی۔ اسی دن مالی اور ملیشیا کے طلباء کا ایک وفد برلین مسجد آیا۔ ان کے ہمراہ مالی کے ایک امام صاحب بھی تھے۔ ان کو برلین مسجد کی تاریخ اور سرگرمیوں سے آگاہ کیا گیا۔

برلین کے میئر ہاؤس میں بین المذاہب کانفرنس

21 نومبر۔ برلین کے روٹن ہاؤس میں بین المذاہب کانفرنس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ دیگر مذاہب کے نمائندوں نے شرکت کی۔ امام برلین مسجد عامر عزیز صاحب نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اس میں اسلام کی نمائندگی کی۔ دیگر مذاہب کے نمائندوں سے ملاقات کا ایک بڑا اچھا موقع تھا۔ اس میں حکومت برلین کے اعلیٰ افسران نے بھی شرکت کی۔

اوسٹر کرشے پروگرام میں امام برلین مسجد کی شرکت

25 نومبر۔ اوسٹر کرشے چرچ نے شام کے مہاجرین کے لئے ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا۔ یاسر عزیز صاحب نے برلین مسجد کی طرف سے نمائندگی کی۔ منتظمین نے برلین مسجد کی طرف سے نمائندگی کو سراہا۔

بین المذاہب پروگرام میں سکائپ کے ذریعہ شرکت

28 نومبر۔ ایچ ڈبلیو پی ایل کی بین المذاہب تنظیم کا اجلاس ہوا جس میں موضوع ''مذہب کا انتخاب کیسے کیا جائے'' تھا۔ عامر عزیز صاحب نے جو آج کل پاکستان میں ہیں سکائپ کے ذریعہ اس مباحثہ میں شرکت کی۔ تبلیغی کلاس کے طلباء بھی سامعین کے طور پر اس میں شریک ہوئے۔ بدھ مت کے نمائندہ نے تھائی لینڈ سے سکائپ کے ذریعہ شرکت کی۔ عامر عزیز صاحب نے ''کس مذہب کا انتخاب کیا جائے اور اس کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اس بارے میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی۔

☆☆☆☆

بقیہ: برلین مسجد کی زیارت

یہ انگلستان میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ اس مسجد کو آباد کرنے کی کوشش کی اور پھر ان کی محنت سے یہ مسجد بین الاقوامی اسلامک سینٹر بن گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے مغرب میں اسلام کی آفاقیت کو نہایت علمی اور موثر طریق پر پیش کیا۔ حضرت مرزا صاحب کو خواب میں دکھایا گیا کہ یورپ میں اسلام پھیلے گا۔ ہمارے مبلغین نے اس خواب کو پورا کر دکھایا اس سلسلہ میں کافی کام ہوا اور ہو رہا ہے، جن میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب کے نام سرفہرست ہیں۔ پہلے دو سال کے اندر حضرت خواجہ صاحب نے ایک سو سے زائد مسلمان کیے۔ اس میں کئی انتہائی ممتاز نام ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے اس مسجد کا نام بیگم بھوپال کے نام پر شاہجہان رکھا۔

میں پھر یہی کہوں گا کہ یہ سارا کام ہمارے بزرگوں نے جن مشکل حالات میں کیا کہ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ آج ہم بڑی آسانی میں ہیں۔ اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں ہم ان کی مدد کریں۔ برلین مسجد کا مشن کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے اور وہ جو سورج مغرب سے طلوع ہونا ہے یہ مسجد اس طلوع ہونے کے کام کو بڑھائے گی۔

آج انسانیت مشکل دور سے گزر رہی ہے۔ یہ جنگ و جدال، طوفان اور آگیں دیکھ رہے ہیں اور اس میں سے گزر بھی رہے ہیں۔ جو مسلمان اس سے متاثر ہو رہے ہیں وہ بھی ہماری ہمدردی اور مدد کے حقدار ہیں اور اگر ہمیں ان کی مدد کرنے کا موقع ملے تو ہمیں ان کی طرف بھی دھیان دینا چاہیے۔ آج ہم محترم اسماعیل خان صاحب کے پوتے ولید کو یاد کرنے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کے لئے بھی اکٹھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی نیک اور پیارا بچہ تھا۔ اسماعیل خان صاحب ہمارے سرکردہ ممبر تھے اور ان کا تعلق فجی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لئے رحمت کا باعث بنائے اور اس کے والدین اور دیگر احباب کو صبر اور نعم البدل عطا کرے۔ آمین

رپورٹ دورہ ہندوستان (اگست 2017ء)

شوکت اے علی (آسٹریلیا)

محترم حضرت امیر!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آپ کی دُعاؤں کی بدولت ہندوستان میں ہماری سرگرمیاں غیر معمولی طور پر ترقی کی طرف گامزن ہیں۔ جماعت احمدیہ لاہور کے مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ تفاصیل پیشِ خدمت ہیں:

جنوری 2017ء میں جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق معلومات بلیٹن میں فراہم کی گئیں اور مزید تفصیل فروری 2017ء کے شمارے میں شائع کی گئیں جو کہ بعدازاں بفضل باری تعالیٰ تبلیغ کے سلسلہ میں انتہائی کارگر ثابت ہوئیں۔ ابتدائی طور پر ہمارا مقصد جماعت احمدیہ لاہور کا صحیح موقف لوگوں تک پہنچانا ہے۔

ہم اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ لاہور کی مفید تصنیفات اور مولانا محمد علیؒ کے قرآن کے تراجم مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ حال میں ایک گاؤں کے وڈیرے نے تین ملاقاتوں میں اپنے آپ کو جماعت احمدیہ لاہور میں شامل کر دیا اور اپنے علاقہ کے مقیم افراد کی جماعت میں شمولیت کی یقین دہانی کرائی۔

جماعت احمدیہ لاہور کے امیر جماعت، جنرل سیکرٹری صاحب اور دیگر ممبران کی سادہ طرزِ زندگی اُن کے لئے ایک مثال تھی کہ ہماری جماعت کا اصل مقصد تعلیم کو پھیلانا تھا نہ کہ دنیاوی مقاصد حاصل کرنا۔ جماعت احمدیہ لاہور کا مستقبل تابناک ہے جس کے لئے وسائل کا موجود ہونا از حد ضروری ہے۔ انشاءاللہ وہ وقت دور نہیں کہ جب ہم اپنی جماعت کے نظریہ کی تعلیم عام کر دیں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مستقل بنیادوں پر چند کل وقت مبلغین تفویظ کئے جائیں جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کا پیغام ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلائیں۔ کہتے ہیں کہ جب لوہا گرم ہو تو ضرب کاری ہوتی ہے لہذا ہم اپنے علم، عقل اور حکمت عملی کی بدولت جماعت احمدیہ لاہور کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوں گے۔

الحمدللہ ہم نے اگلے چار ماہ کی حکمت عملی بنالی ہے اور اُس پر قائم ہیں، ہمارے دو مبلغین تبلیغی دورہ پر ہندوستان کی 4 مختلف ریاستوں کی طرف گامزن ہیں۔ ہمیں تعداد سے غرض نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور میں ایسے لوگ شامل ہوں جو کہ جماعت کی خاطر قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ مبلغین کے مطابق نبوت کے متعلق سوالات اُن کی تبلیغ میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل تھے اور عام مسلمان اس حقیقت کو ماننے کے لئے بالکل بھی تیار نہیں کہ دراصل ختم نبوت کے متعلق جماعت کا موقف کیا ہے۔

جیسا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں بلکہ مجدد مانتے ہیں لہذا اُن مبلغین کو اب اپنی تبلیغ میں حضرت صاحب کے تعارف میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ خاکسار نے روزانہ کی بنیاد پر ایک رپورٹ کرنے کا نظام تشکیل دیا ہے جس کے مطابق ملک کے مختلف حصوں سے روزانہ ٹیلیفون کے ذریعہ 2 سے 5 ممبران سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً خاکسار کام کی نگرانی کے علاوہ مسائل کا

فوری حل تجویز کرتا ہے۔

1993ء میں خاکسار نے مرحوم عبد الرزاق صاحب کی مدد سے ہندوستان میں تبلیغی سرگرمیاں شروع کی تھیں جس کے لئے خاکسار کو جماعت احمدیہ لاہور کی جانب سے ہندوستان کا پراجیکٹ ڈائریکٹر منتخب کیا گیا تھا۔

جموں و کشمیر کی 5 شاخوں کے علاوہ پورے ہندوستان میں جماعت احمدیہ لاہور سے صرف ایک شخص مخصوص تھا۔ ہندوستان میں جماعت احمدیہ لاہور کی باقاعدہ رجسٹریشن کے فقط 6 ہفتوں بعد عبد الرزاق صاحب اپنے خالق حقیقی سے جاملے اور جماعت کی ذمہ داریاں خاکسار کے ناتواں کندھوں پر آن پڑیں۔

جماعت احمدیہ لاہور کے تمام امیرانِ جماعت اور ممبران کی دعاؤں کے نتیجہ میں ہم ایک مضبوط جماعت تشکیل دے چکے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف ہندوستان میں جماعت احمدیہ لاہور کی نمائندگی انشاء اللہ باقی دنیا کے تمام ممبران سے زائد ہوگی اور جس رفتار سے ہم آگے بڑھ رہے ہیں تو بلاشبہ اگلے ایک سال میں انشاء اللہ نمائندگان کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ممکن ہے۔

خاکسار کی تبلیغ سال میں 4 سے 5 دوروں پر محیط تھی جو کہ ریٹائرمنٹ کے بعد 2 دوروں سالانہ پر محدود ہوگئی ہے۔خاکسار کا فضائی کرایہ، ہوٹل میں قیام، اندرون ملک سفر اور دیگر اخراجات ایک لاکھ ہندوستانی روپے سے تجاوز کر جاتا ہے لہذا خود سفر نہ کر کے تبلیغ کے لئے اخراجات کا خرچہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا دیا جاتا ہے جس سے وقت اور بے جا اصراف کی بچت ہوتی ہے۔

احمدی احباب کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے بھی ملاقات کا سلسلہ رہتا ہے۔6 سال قبل ایک شخص ہندو سے عیسائی ہوا اور ہمارے پاس تشریف لایا اور فقط 10 روز گزارنے کے بعد مسلمان ہوگیا۔اسی طرح اور حضرات بھی ہماری مذہبی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ہمارے کئی مبلغین دارالعلوم دیوبند (350 طلباء پر مشتمل ہندوستان میں مبلغین کی تربیت کا سب سے بڑا مرکز) میں تعلیم کے آخری سال میں ہیں۔مفتی ممتاز عالم بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں۔

بفضلِ باری تعالیٰ اور ہماری کاوشوں کی بدولت ہندوستان کے مسلمان احمدیوں کے دو گروہوں میں فرق کر سکتے ہیں اور اگر دارالعلوم دیوبند اپنے طلباء کو ان گروہوں کے مابین اختلافات واضح کر دیں تو مستقبل میں جماعت احمدیہ لاہور کے لئے ایک انتہائی کامیابی سمجھی جائے گی۔ اس سلسلہ میں خاکسار کا دارالعلوم دیوبند سے مسلسل رابطہ ہے اور انہیں ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب کے تحریر شدہ قرآنی مضامین اور ماہانہ اخبارات مستقل بنیادوں پر پہنچائے جاتے ہیں۔

ہماری ویب سائیٹ تبلیغ میں ایک بہت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ دہلی سے جماعت احمدیہ لاہور کا کتابچہ شائع کیا جاتا ہے جو فی سبیل اللہ ہے اور حسب ضرورت تقسیم کیا جاتا ہے۔جیسا کہ آپ کے علم میں ہے گزشتہ 2 دہائیوں سے خاکسار جماعت سے مالی معاونت نہیں لیتا اور رضا کارانہ طور پر اپنے کام سرانجام دے رہا ہے اور ہندوستان میں موجود جماعت کی تمام سرگرمیاں آسٹریلیا، فجی اور کیلیفورنیا کے چند مخیّر حضرات کی امداد سے ممکن ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری رہے اور وسائل کی کمی آڑے نہ آئے۔ بلاشبہ مزید وسائل سے ہمارا مشن مزید ترقی کے مراحل طے کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے اور بن مانگے نوازتا ہے۔

☆☆☆☆

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جواُس کی عزت وعظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا جلال ظاہر ہو۔ نماز میں جوسبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہا جاتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظاہر ہونے کی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت ہو جس کی نظیر نہ ہو سکے۔ نماز میں تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے یہی حالت ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے کہ طبعاً جوش کے ساتھ اپنے کاموں سے اور اپنی کوششوں سے دکھادے کہ اس کی عظمت کے خلاف کوئی شے مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔ یہ بڑی عبادت ہے جولوگ اس کی مرضی کے مطابق جوش رکھتے ہیں وہی موید کہلاتے ہیں اور وہی برکتیں پاتے ہیں۔ جولوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور تقدیس کے لئے جوش نہیں رکھتے اُن کی نمازیں جھوٹی ہیں اور اُن کے سجدے بیکار ہیں، جب تک خدا تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو یہ سجدے صرف جنتر منتر ٹھہریں گے۔ جن کے ذریعہ سے یہ بہشت کو لینا چاہتے ہیں۔

یادرکھو کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہوسکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے۔ ایسا ہی تمہارے رکوع وسجود بھی نہیں پہنچتے۔ جب تک اُن کے ساتھ کیفیت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی عزت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں۔ جولوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے گزرتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص ان کے ساتھ نہیں جا سکتا جب تک کیفیت نہ ہو۔ انسان ترقی نہیں کرسکتا۔ گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے جب تک اس کے لئے جوش نہ ہو کوئی لذت نہیں دے گا۔ ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک قضا ہوتی ہے لیکن کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ ساری تمناؤں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مقدم نہ کرے۔ (ملفوظات 10 دسمبر 1899ء)